انسان

جل رہا ہے

ہفت روزہ

الفتح

کراچی

۱۳ — ۲۰ مئی سنہ ۱۹۷۱ء

قیمت :— ۵۰ پیسے

ہوائی ڈاک سے :— ۶۰ پیسے



خدا کی بستی کے مظلوم عوام کا ترجمان

ہفت روزہ

الفتح

کراچی

جلد: — ۱ شمارہ: — ۵۲

۱۳ — ۲۰ مئی ۱۹۷۱ء

نگران

شوکت صدیقی — محمود شام

مدیر

ارشاد راؤ

معاونین خصوصی

ابراہیم جلیس — منہاج برنا

افضل صدیقی — ایم کے جنجوعہ

نائب مدیران

اشرف شاد — وہاب صدیقی

آرٹ ایڈیٹر :۔ غلام نبی بزمی

بدلِ اشتراک	فی پرچہ	سالانہ	ششماہی
	۵۰ پیسے	۲۵ روپے	۱۳ روپے
ہوائی ڈاک سے :-	۶۰ پیسے	۳۰ روپے	۱۶ روپے

بحرین، کویت — ۶۰ فلس

دوبئی، قطر — ۵، درہم

سعودی عرب — ۱۵ قرش

انگلستان — ۲ شلنگ، ۶ پنس

مقام اشاعت

دفتر ہفت روزہ الفتح ۸۷، ڈی نرسری کمرشل ایریا

پی ای سی ایچ ایس - کراچی — ۲۹

ایڈیٹر پبلشر ارشاد راؤ - مطبع حقی آفسٹ پریس لیاقت آباد کراچی

سرورق: جنوبی ویت نام سے متعلق ہے

اداریہ

ایک سال

یہ الفتح کا باونواں شمارہ ہے۔ آزمائش کا ایک سال پورا ہوگیا ہے۔ اس دور میں ادارۂ الفتح نے مظلوم عوام کی ترجمانی کی اہم ذمہ داریوں کو کس حد تک پورا کیا ہے اس کا فیصلہ قارئین کرام ہی بہتر طور پر کر سکتے ہیں تاہم اس "جرم" کی پاداش میں "الفتح" کے کل وقتی کارکنوں، کالم نویسوں اور اس سے بالواسطہ یا بلاواسطہ عامل صحافیوں نے جو مشکلات خندہ پیشانی سے برداشت کی ہیں انہیں قارئین کرام کی خدمت میں سالنامے میں پیش کر دیا جائے گا۔

"الفتح" نے اپنے مشن کا ایک سال ضرور مکمل کر لیا ہے لیکن اندھیروں کو روشنی میں بدلنے کے لئے ابھی مشن مکمل نہیں ہوا۔ ہم منزل کی جانب ایک قدم آگے بڑھے ہیں منزل تک پہنچنے کے لئے شاید اس قافلے کے ہم سفروں کو مزید مشکلات، دشوار کن راستوں اور کٹھن مراحل سے گزرنا پڑے۔ منزل تک پہنچنے کے بعد روشنی کے عظیم دور کا آغاز ہوگا۔ اس دور میں مزدور کسان راج کی حاکمیت ہوگی۔ جاگیردار، سرمایہ دار اور نوکر شاہی اس دور سے خائف ہے۔ ان کے وجود کا سوال ہے نا۔ اپنے وجود کو برقرار رکھنے کے لئے وہ جدوجہد کی تیزی کے ساتھ ساتھ اپنے اوچھے ہتھکنڈوں میں اضافہ کر دیں گے۔ "الفتح" پہلے بھی ان کے عتاب سے نہیں بچا اور مستقبل کے بارے میں بھی اس کے کارکنوں کو خوش فہمی نہیں۔

آج جب کہ "الفتح" اپنی زندگی کے دوسرے اور صبر آزما سال کا آغاز کرنے والا ہے اس کے کارکن عہد کرتے ہیں کہ:

- ہم آزاد صحافت کا علم بلند رکھیں گے۔ ظالم کے خلاف مظلوم کے شانہ بشانہ لڑیں گے۔ ہماری جنگ اس وقت تک جاری رہے گی جب تک ظالم کیفر کردار کو نہیں پہنچ جاتے۔ اور وطن کی مقدس دھرتی پر دیس کے اصل مالکوں، مزدوروں، کسانوں اور مظلوم طبقے کا راج قائم نہیں ہو جاتا۔
- ہم اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے کا عہد کرتے ہیں۔ ان ذمہ داریوں میں مزدوروں، کسانوں اور مظلوم طبقے کی جاگیرداروں، سرمایہ داروں اور نوکر شاہی کے خلاف منصفانہ اور صحیح جدوجہد کی مکمل حمایت کو اوّلیت حاصل رہے گی۔ امریکی سامراج، روسی سوشل سامراج اور بھارتی توسیع پسندوں کے مکروہ عزائم کی تکمیل کے ضمن میں بین الاقوامی سطح پر مسلح جدوجہد کی تائید ہمارا مسلک ہے اور رہے گا
- ہمارے قلم ظالموں کے خلاف مظلوم طبقے کی تلوار بن کر ترجمانی کا فریضہ ادا کرتے رہیں گے اور سچائی کا ساتھ دیتے رہیں گے۔

"الفتح" خدا کی بستی کے مظلوم عوام کے ترجمان کی حیثیت سے صحافتی دنیا میں داخل ہوا ہے۔ اس کا یہ امتیازی نشان کارکنوں کے پاس عوام کی مقدس امانت ہے۔ کارکنوں کو اس بات کا شدت سے احساس ہے کہ یہ امانت ہی ان کے اور عوام کے درمیان ایک رابطہ ہے۔ وہ اس بات پر پختہ یقین رکھتے ہیں کہ اس رشتے کو نئے دور میں اور مضبوط بنایا جائے۔ اتنا مضبوط کہ وہ مزدوروں اور کسانوں کی زندگی کا ایک حصہ بن جائیں۔

پہلے سال کے دوران الفتح کے کارکنوں اور عوام کے درمیان اخباری صنعت

باقی صفحہ ۲۲ پر ملاحظہ فرمائیں



کالعدم عوامی لیگ کے رہنما عنقریب اہم اعلان کریں گے

رپورٹ:- محمود شام

آج اتوار ہے - ڈھاکہ سرسبز ہے -

آسمان نے اُودے اُودے، سرمئی اور دودھیا بادلوں کا آنچل اوڑھ رکھا ہے، انٹرکانٹی نینٹل کے ایک دریچے سے ڈھاکے کی ہریالی آنکھوں میں اُترے جا رہی ہے اس ہریالی میں پاکستان کے قومی پرچم کی رنگت بھی شامل ہے - پیڑوں کی ہریالی کے ساتھ ساتھ قومی پرچم بھی آنکھوں کو تسکین بخش رہا ہے - ڈھاکہ پُرسکون ہے - اس کی خاموشی اور قومی پرچم کے باوقار لہراتے میں ماضی قریب اور بعید کی ہزاروں کہانیاں محسوس کی جا سکتی ہیں -

ہم کل ڈھاکہ پہنچے تھے - آجکل ڈھاکہ آنا بذاتِ خود ایک تجربہ ہے - چھ گھنٹے کا سفر - بھارت نے اگرچہ اپنی سازشوں اور مذموم عزائم کے باعث پاکستان کے دونوں صوبوں کو ایک دُوسرے سے دُور رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے - سفر میں تین گھنٹے کا اضافہ اور سمندروں کے اوپر سے چھ گھنٹے کی پرواز - پاکستانی قوم بھارتی توسیع پسندوں اور اس کی پشت پناہی کرنے والے سامراجیوں سے نپٹنا سیکھ چکی ہے اور ہر محاذ پر سامراجیوں کی کوششوں کو ناکام بنا رہی ہے مشرقی پاکستان میں بھارتی مداخلت کے باعث مشرقی پاکستانیوں پر جو کچھ بیت گئی اُس نے دونوں بازوؤں کے عوام میں سامراج کے خلاف نفرت کو تیز تر کر دیا ہے - سامراج کے خلاف یہ نفرت کا جذبہ ہی دونوں بازوؤں کے عوام کی مشترکہ متاع ہے - دونوں بازوؤں کے عوام یہ واضح طور پر سمجھتے ہیں کہ سامراج اس کے اثرات اور اُس کے ایجنٹوں کو ہم متحد ہو کر ہی ختم کر سکتے ہیں - بعض طاقتوں نے غلط فہمیاں پیدا کرنے کی کوششیں کی تھیں لیکن عوام نے انھیں ناکام بنا دیا - مغربی پاکستان سے میں یہی تاثر لے کر چلا تھا کہ مشرقی پاکستان کے عوام محب وطن ہیں - انہوں نے اگر کسی سیاستدان کو بھاری اکثریت سے منتخب کیا تھا تو صرف اس لئے کہ وہ ان کے مسائل حل کرے، خوشحالی لائے اور سوشلسٹ معیشت کے قیام کا وعدہ پورا کرے - انہوں نے علیحدگی کے لئے ووٹ نہیں دیئے تھے - انھوں نے اس لئے اسے منتخب نہیں کیا تھا کہ وہ انھیں پاکستان کے دشمن بھارت کے ہاتھ فروخت کر دے یا کسی سامراج طاقت کا غلام بنا دے -

مجھے راستے میں جہاز میں اسلام پورہ کے دو بنگالی بھائی ملے تھے، ان کا کہنا تھا کہ یہ سب بھارت کا کھیل تھا - بھارت نہیں چاہتا کہ پاکستان کسی طرح بھی ترقی کر سکے، انھوں نے بتایا کہ جن علاقوں میں ہندو زیادہ آباد تھے وہیں زیادہ گڑبڑ ہوئی - پاک فوج نے انتہائی دلیری اور بہادری سے صورتِ حال کو قابو میں کر لیا ہے - اب شہروں میں مکمل امن و امان ہے - چند ایک سرحدی علاقوں میں بھارت کے بھیجے ہوئے ایجنٹ گڑبڑ کی کوشش کر رہے ہیں - انہی بھائیوں نے یہ بھی بتایا کہ اب وہی پارٹی بنگالی بھائیوں کے دل جیت سکے گی جو پاکستان کی سلامتی کی قائل ہو گی - اور عوام کی خوشحالی کے لئے واضح پروگرام لائے - مشرقی پاکستان [illegible] عوام اب دھوکہ نہیں کھائیں گے -

ڈھاکہ ایئرپورٹ کے باہر بائیسکل رکشوں کے ساتھ ساتھ بڑی ٹیکسیاں بھی نظر آئیں - [illegible] لڑکے بھی بڑی تعداد میں موجود تھے، اُن کے چہروں پر عزم تھا اور وہ مسافروں کا سامان ٹیکسی [illegible] گاڑیوں تک پہنچا رہے تھے - ایئرپورٹ سے انٹرکانٹی نینٹل تک مجھے جنوری اور آج کے [illegible] میں کوئی فرق نظر آیا تو صرف یہ کہ اب پاکستان کے قومی پرچم بڑی تعداد میں لہرا رہے تھے - [illegible] قومی ردِعمل تھا کہ کچھ علیحدگی پسندوں نے بنگلہ دیش کا پرچم نام نہاد تحریک عدم تعاون کے [illegible] میں زبردستی جگہ جگہ لہرایا تھا - اب تمام محب وطن افراد اپنی دکانوں اور مکانوں پر سبز پرچم [illegible] کر اپنے جذبات کا اظہار کر رہے ہیں -

ڈھاکہ شہر آل انڈیا ریڈیو کی تمام تر کوششوں کے باوجود اپنی جگہ پر ہے - انڈیا ریڈیو [illegible] سُن سُن کر بہت تجسس پیدا ہوا تھا - بھارت کے ریڈیو اور اخبارات کے ذریعے جو خبریں [illegible] پھیل رہی تھیں میں ان کی تصدیق کے لئے ہی آج ڈھاکہ میں گھومنے گیا تھا - دُوسرے علاقے [illegible] شاید کل سے شروع ہو - اس لئے آج میں ڈھاکہ دیکھنے نکلا - خاص طور پر وہ مقامات [illegible] انڈیا ریڈیو کے مطابق تباہ کئے جا چکے ہیں - کل شام کو بھی میں ہوٹل کی کھڑکی سے شہر [illegible] کے آثار دیکھنے کی کوشش کرتا رہا - لیکن ڈھاکہ دُور تک جگمگا رہا تھا -

آج صبح ڈرتے ڈرتے میں نے کے - جی بھائی کے گھر ٹیلیفون کیا تو اُن سے بات [illegible] بہت تعجب ہوا - انڈیا ریڈیو اور بھارت کے کسی اخبار کے مطابق پی - ایف - یو جے کے [illegible] پاکستان آبزرور کے نیوز ایڈیٹر کے جی مصطفےٰ کلکتہ میں ہیں - میں نے اس لئے ڈرتے [illegible] ڈائل گھمایا اور وہاں فون سننے والے صاحب سے پوچھا " کے جی آچکے " جواب ملا " [illegible] چند لمحوں بعد کے - جی فون پر موجود تھے - انھیں پتہ چلا تو خوش ہوئے - پوچھنے لگے " کو [illegible] آیا ہے؟ " میں نے بتایا " مارننگ نیوز کے غوری صاحب ہیں ' ایم - بی نقوی ہیں - ا[illegible] الطاف یاور ہیں - شوکت کمال ہیں " - میں سوچ رہا تھا کہ کوئی اور صاحب ہی کے جی بھائی [illegible] بول رہے ہوں - میں نے کہا آپ سے ملاقات ہو سکتی ہے - کہنے لگے کیوں نہیں، میں [illegible] دیر میں پہنچ رہا ہوں - آدھ گھنٹے بعد وہ واقعی آگئے - ہم سب انھیں دیدے پھاڑ پھاڑ [illegible] رہے تھے - اور ایک دُوسرے کی طرف دیکھ کر تصدیق کر رہے تھے کہ " لگتے تو کے جی [illegible] ہیں مگر شاید - " پرکچھ پرانے واقعات کے حوالے سے ہم نے پرکھنے کی کوشش کی تو [illegible] کے جی بھائی نکلے - انہوں نے حیران ہو کر پوچھا کہ آخر بات کیا ہے - ہم نے بتایا کہ [illegible] ریڈیو اور بھارت کے اخبارات نے بتایا تھا کہ آپ کلکتہ میں ہیں - اس لئے ہم اچھی طرح تصدیق [illegible] رہے تھے کہ آپ وہی کے جی ہیں یا اور کوئی -

ڈھاکے کے ان افراد میں سے ایک تو کے جی مصطفےٰ تھے جو انڈیا ریڈیو کی [illegible]

باقی صفحہ ۱۲ پر ملاحظہ [illegible]

حوالِ واقعی

لیکن چین کی ان پیش کشوں کو فراخدلی کے ساتھ قبول کرنے میں امریکہ کے ساتھ ہمارے خصوصی رشتے اور سیٹو، سنٹو سے ہماری وابستگی مانع رہتی ہے۔ عوام سے تو قربانیاں طلب کی جاتی ہیں مگر سیٹو اور سنٹو کو قربان نہیں کیا جا سکتا۔ ایسی بھی کیا اقتصادی مجبوری؟

کراچی کے دو آرٹ سلک ملوں نے

حکومت کو سوا کروڑ روپے کا نقصان پہنچایا

افضل صدیقی

انتقالِ اقتدار، آئین سازی، جمہوریت کی بحالی، یہ سب بڑی پیاری باتیں ہیں۔ سنتے ہیں تو دل و دماغ پر نشہ سا طاری ہونے لگتا ہے۔ ایک لمحے کے لئے روٹی، مکان اور روزگار کے تکلیف دہ الفاظ ذہن سے نکل جاتے ہیں۔ نشہ کسی چیز کا بھی ہو اور کتنا ہی برا ہو اس سے یہ ضرور ہوتا ہے کہ آدمی تھوڑی دیر کے لئے آلام و افکار سے نجات پا لیتا ہے۔ مگر جب نشہ ٹوٹتا ہے تو وہ کیفیت بڑی کربناک ہوتی ہے۔ یہ جو اس وقت قوم کے اعصاب کو مختلف "منشیات" کے ذریعے سُلانے کی کوشش کی جا رہی ہے تو اس کا ردِ عمل بھی ضرور ہو گا۔ اور یہ ردِ عمل اعصاب کو سُلانے والے عمل سے زیادہ اذیت ناک ہو گا۔ اس کا اندازہ فی الوقت نہیں لگایا جا سکتا۔

ملک کی سلامتی سب پر مقدم ہے۔ بالکل بجا۔ ملک کو بچا لیا گیا۔ مشرقی پاکستان میں شر پسندوں اور بھارتی مداخلت کاروں کا صفایا کر دیا گیا۔ یہ بڑا اچھا ہوا اور قوم ایک اور آزمائش سے سرخرو ہو کر نکل آئی۔ لیکن اس سرخروئی کی ہمیں کتنی قیمت ادا کرنی پڑی ہے۔ اور یہ قیمت ہم کب تک ادا کرتے رہیں گے، کوئی نہیں جانتا۔ عوام تو ہر آزمائش کے موقع پر بس قربانیاں دینے کے سوا کچھ نہیں جانتے۔ گذشتہ ۲۳ برس سے وہ قربانیاں ہی دے رہے ہیں۔ پہلے انھوں نے اپنا الگ وطن بنانے کے لئے قربانیاں دیں۔ اب وطن کو بچانے کے لئے اپنے آپ کو قربان کئے چلے جا رہے ہیں۔ اس امید پر کہ کبھی تو ایسا دن بھی طلوع ہو گا جب انہیں یقین ہو سکے کہ ان کے بچوں کو کوئی قربانی نہیں دینی پڑے گی۔ وہ آسودہ حالی کی زندگی بسر کر سکیں گے اور ان کا اپنا مستقبل محفوظ رہے گا۔ جس روز اس یقین کی دولت سب کو حاصل ہو جائے گی وہ بڑا مبارک دن ہو گا۔ وہ دن دیکھنے کی تمنا ہم سب کو زندہ، جدوجہد میں مصروف اور قربانیاں دینے کے لئے تیار رکھے ہوئے ہے۔ جس روز یہ تمنا دم توڑ دے گی، اس روز کیا ہو گا۔ یہ کسی کو نہیں معلوم "جرس غنچہ کی صدا" پر قافلہ نوبہار" مسلسل سرگرم سفر ہے۔ یہ قافلہ کہاں ٹھہرے گا، کوئی نہیں جانتا۔ اس کا وقوف ہی یقین کو جنم دے سکتا ہے۔ بس یہ وقوف اور یہ ادراک ہی حاصل نہیں ہو پاتا۔

ہمارے سیاسی رہنماؤں میں کوئی ایسا نہیں جو کسان، مزدور ہو، غریب ہو جسے یہ فکر ہو کہ آج وہ کام پر نہیں گیا تو شام کو اس کے گھر میں چولہا نہیں جلے گا۔ اس کے بچے بھوکے رہیں گے۔ وہ بیمار پڑ گیا، کسی حادثے میں زخمی ہو گیا تو اس کی اور اس کے بیوی بچوں کی خبر گیری کون کرے گا۔ یہ سیاسی رہنما، مزدوروں کسانوں، غریبوں، بے روزگاروں سے اظہار ہمدردی تو کرتے ہیں۔ ان کے مسائل کا ذکر بھی کرتے رہتے ہیں۔ ان کے حل پر بھی زور دیتے ہیں۔ مگر کچھ کر نہیں سکتے۔ نہ انفرادی طور پر نہ جماعتی طور پر۔ سیاست ہمارے ملک میں صرف انہی لوگوں کا اوڑھنا بچھونا رہی ہے جو مالی اعتبار سے آسودہ حال ہیں۔ اور جنہیں حصولِ معاش کے لئے جدوجہد نہیں کرنی پڑتی۔ گذشتہ بارہ تیرہ سال سے تو خیر کوئی سیاسی جماعت ہی برسر اقتدار نہیں۔ ایوب خاں کی کنونشن مسلم لیگ جس نے ایک محلی گھر میں جنم لیا تھا، ایسے ہی آسودہ حال لوگوں کی جماعت تھی جسے ایوب خاں نے اپنے اقتدار کی بقا کا سہارا بنایا تھا۔ ورنہ ایک پارٹی کی حیثیت سے اس کی جڑیں عوام میں نہیں تھیں۔ ویسے بھی عام جاگیرداروں اور بڑے بڑے زمینداروں کو چھوٹے کاشت کاروں کے مسائل کس طرح سمجھ میں آ سکتے ہیں۔ یہاں کسی خلیفہ ہارون الرشید کی عمل داری تو ہے نہیں جس کے دورِ حکومت میں شیر اور بکری ایک گھاٹ پانی پیتے تھے اب تو یہاں شیر اور بکری کے درمیان تفاوت بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ کم ہونے کا امکان بھی بظاہر نظر نہیں آتا۔ اللہ سلامت رکھے جناب محمد شعیب کو جو اپنے دور میں پاکستان کی معیشت کو ایسے

ذرا غور فرمائیے

کارخانہ پر پٹرول کی قیمت ۴۴ پیسے فی گیلن پڑتی ہے

تیل کمپنیوں کو جو منافع دیا جاتا ہے وہ ۴۴ پیسے فی گیلن بیٹھتا ہے۔ ڈیلر کا منافع ۲۵ پیسے گیلن اس میں شامل کر لیجئے۔ اس طرح منافعوں سمیت پٹرول کی قیمت ایک روپیہ تین پیسے فی گیلن ہوئی۔ اس میں حکومت کی طرف سے عائد کردہ ایکسائز ڈیوٹی دو روپے ۵۰ پیسے فی گیلن اور جوڑ لیجئے۔ یہیں پر بس نہیں ہے۔ ابھی ڈیولپمنٹ سرچارج بھی باقی ہے۔ کا پیچ سرچارج اور محصول چونگی بھی باقی ہے گویا مزید ۵۰ پیسے فی گیلن اور بڑھا لیجئے۔ یہ کل رقم چار روپے تین پیسے بنتی ہے۔ مشرقی پاکستان طوفان زدگان کے لئے ریلیف سرچارج ایک روپیہ فی گیلن جنوری ۱۹۷۱ء میں لگایا گیا۔ اس طرح پٹرول کی قیمت پانچ روپے تین پیسے فی گیلن ہو گئی۔ اور چار ماہ بعد ہی اس میں ۲۵ پیسے فی گیلن کا اور اضافہ کر دیا گیا۔ اس طرح آج کل پٹرول کی قیمت ۵ روپے اٹھائیس پیسے فی گیلن ہے۔

ملک کو اقتصادی بحران سے بچانے کے لئے دُور رس معاشی اصلاحات کی جائیں

دھڑے پر لگا گئے کہ اب تک قوم اس کے چنگل سے نہیں نکل سکی ہے۔ اور برابر اپنا معیار زندگی بلند کرتی چلی جا رہی ہے۔

عالم یہ ہے کہ جب بھی بجٹ آتا ہے درآمدی یا برآمدی پالیسی کا اعلان ہوتا ہے قوم پر تازیانے بصورت ٹیکس لگتے رہتے ہیں مہنگائی جو پہلے بہت زیادہ ہے اور زیادہ ہو جاتی ہے کچھ حکومت خرچہ پورا کرنے کے لئے ٹیکسوں میں اضافہ کرتی ہے یا نئے ٹیکس لگاتی ہے کچھ صنعت کار اور تاجر قیمتیں بڑھا کر عوام کی رہی سہی کھال بھی کھینچ لیتے ہیں۔ آخر انہیں بھی مزید لائسنس لینے ہوتے ہیں۔ افسروں کی جیبیں گرم کرنی ہوتی ہیں۔ ٹیکسوں کے ساتھ رشوت کی شرح بھی بڑھ جاتی ہے۔ اس لئے تاجروں اور صنعت کاروں کے اپنے اخراجات بھی بہت بڑھ جاتے ہیں۔ اس بوجھ کو تنہا نہیں اٹھا سکتے اس لئے عوام کو بھی اس میں شریک کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ چنانچہ قیمتیں اور بڑھتی ہیں۔ ضروریات زندگی اور گراں ہو جاتی ہیں۔ گرانی کے بوجھ تلے کراہنے والے ناداروں کی کمر اور جھک جاتی ہے۔ لیکن سرمایہ داروں کے مال و دولت میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ بلکہ اس میں اضافہ ہی ہو جاتا ہے۔ لاکھوں میں کھیلنے والوں پر کوئی اثر نہیں ہوتا اور لنگوٹی میں پھاگ کھیلنے والوں کی جان پر بن جاتی ہے۔

یہ ایک ایسا اقتصادی شکنجہ ہے جس میں غریب لوگ مسلسل کسے جا رہے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ اقتصادی بحران تو عالمگیر ہے۔ ہر ملک اس کی لپیٹ میں ہے۔ ہمارے روپے پر اگر آفت ٹوٹ رہی ہے تو ڈالر کب چین سے ہے۔ مارک اور پونڈ کو کب سکون ہے۔ بات تو دل کو لگتی ہے۔ لیکن یہ نہیں سوچا جاتا کہ ترقی یافتہ ملکوں کے اقتصادی بحران میں اور ہمارے جیسے ترقی پذیر ملک کے اقتصادی بحران میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ ایک سرمایہ دار کی دولت میں سو روپے کی کمی ہو جائے تو وہ اس کمی کو پلک جھپکتے میں پورا کر سکتا ہے۔ لیکن ایک غریب و نادار کی جیب سے ایک روپیہ بھی گر جائے تو وہ اس کمی کو پورا نہیں کر سکتا۔ اس کی محدود ضروریات کی تکمیل بھی اس کے بس میں نہیں رہتی۔ دوسرے ملکوں میں جو اقتصادی بحران آتے ہیں ان میں کافی وقفہ ہوتا ہے۔ یہاں تو یکے بعد دیگرے بحران پر بحران چلے آتے ہیں۔ سیلاب آ گیا تو اقتصادی بحران، انتخابات ہوتے تو اقتصادی بحران۔ فسادات ہوتے بھارت کی طرف سے کوئی گڑبڑ ہوئی تو پھر اقتصادی بحران۔ ہر بحران کے موقع پر غریب آدمی کی آمدنی نہیں بڑھتی۔ خرچ بڑھ جاتا ہے اور روپے کی قدر گھٹ جاتی ہے۔ وہ ۲۵ پیسے والی چیز ایک روپے میں بھی حاصل نہیں کر سکتا۔ اور پھر اس کا نتیجہ بھوک، بیماری اور جہالت میں اضافہ کی صورت میں بھگتتا ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ہمارے ملک میں بعض اوقات ٹیکس ہنگامی صورت میں لگا دیئے جاتے ہیں۔ مگر جب ہنگامی حالت ختم ہو جاتی ہے تب بھی ٹیکس باقی رہتے ہیں۔ وہ ختم نہیں ہوتے بلکہ پھر کسی بہانے سے ان میں کمی کے بجائے اور اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ سامنے کی مثال پٹرول اور مٹی کے تیل کی ہے۔ پچھلے سال مشرقی پاکستان میں تاریخ کا ہولناک ترین طوفان آیا تو طوفان زدگان کی امداد کے لئے جنوری ۱۹۷۱ء سے پٹرول کی قیمت پر ایک روپیہ فی گیلن کے حساب سے ریلیف سرچارج لگا دیا گیا تھا۔ اور پٹرول کی قیمت ۴ روپے فی گیلن سے بڑھ کر ایک دم ۵ روپے فی گیلن ہو گئی۔ اس اضافہ سے عام لوگ بوکھلا گئے تھے۔ غریب آدمی کے پاس کار تو نہیں ہوتی، مگر پستا وہی ہے۔ کاروں کے مالکان پر بھلا کیا اثر پڑ سکتا ہے۔ جس کا گذارہ کار کے بغیر نہیں ہو سکتا وہ ہر قیمت پر پٹرول خریدے گا یکم جنوری کو جب پٹرول کی قیمت میں ایک روپیہ فی گیلن کا اضافہ ہوا تو ٹیکسیوں، موٹر رکشاؤں وغیرہ نے اپنے کرایوں میں بھی اضافہ کر دیا۔ ٹرکوں اور دوسری بار برداری کی گاڑیوں کے مالکان نے بھی بار برداری کی شرح بڑھا دی۔ اندرون ملک تجارت بھاری گاڑیوں اور ٹرکوں کے ذریعہ ہوتی ہے۔ یا ریلوے اور اسٹیمروں، کشتیوں کے ذریعہ سے۔ بار برداری کی شرح بڑھی تو ایک جگہ سے دوسری جگہ مال بھیجنے والے بڑے تاجروں نے اپنے مال کی قیمت بڑھا دی۔ اور پھر اسی چیز کی قیمت مختلف سطحوں پر اضافہ کے ساتھ عوام پر بھاری بوجھ بن کر آ گری۔ ان چیزوں کی قیمتوں میں اضافہ کی دیکھا دیکھی دوسری ضروریات زندگی کے دام بڑھا دیئے گئے۔ اس طرح ڈیزل پٹرول کی قیمت میں اضافہ نے ذرائع مواصلات کو ہی متاثر نہیں کیا بلکہ اس کے ذریعہ عام گرانی پیدا ہو گئی۔ جو بڑھتی چلی جا رہی ہے۔

پاکستان میں پٹرول کی یہ قیمت اتنی زیادہ ہے کہ دنیا میں کہیں نہیں ہے۔ توقع کی جا رہی تھی کہ مشرقی پاکستان کے طوفان زدگان کی امداد کے لئے پٹرول پر جو ایک روپیہ فی گیلن سرچارج

صنعت کاروں اور سرمایہ داروں سے پورا ٹیکس وصول کیا جائے تو سارے دلدّر دُور ہو سکتے ہیں

لیا جا رہا ہے وہ اب ختم کر دیا جائے گا۔ مگر اس توقع کے برعکس ۵ رمئی کو پٹرول کی قیمت میں ۲۵ پیسے فی گیلن اور مٹی کے تیل کی قیمت میں ۳۹ پیسے فی گیلن اضافہ کر دیا گیا۔ چوں کہ ہنگامی حالات کے پیش نظر درآمدی پالیسی پر جو نظر ثانی کی گئی تھی اس کے مطابق خام تیل اور صاف شدہ پٹرولیم کی مصنوعات نقد درآمد کرنے کے بجائے نقد اور بونس پر درآمد کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس فیصلہ کی بنا پر صرف چار ماہ کے اندر پٹرول اور مٹی کے تیل کی قیمتوں میں پھر اضافہ ہو گیا۔ پٹرول کی قیمت پانچ روپے فی گیلن کی بجائے سوا پانچ روپے فی گیلن اور مٹی کے تیل کی قیمت دو روپے فی گیلن قرار پا[ئی] گویا گذشتہ ایک سال کے اندر پٹرول کے بھا[ؤ] میں سوا روپے گیلن کا اضافہ ہوا۔ اور اس نتیجے [میں] کئی گنا زیادہ عام استعمال کی چیزوں کے [نرخ] بڑھ گئے۔

ایک طرف تو ریلیف سرچارج نہیں ہٹا [بلکہ] وہ بدستور لاگو ہے۔ اس لئے ایک دفعہ کوئی ٹیکس لگ جائے، کسی محصول میں اضافہ ہو جائے تو پھر اس میں کمی نہیں ہوتی۔ اور اگر کبھی بھولے سے اس میں پیسے دو پیسے کی کمی ہو جا[تی] تو باقی چیزوں کے بڑھے ہوئے دام اس کے نتیجہ میں کم نہیں ہوتے۔ مٹی کے تیل کا تعلق [براہ] راست غریبوں سے ہے۔ ہر سال اس کے داموں میں کسی نہ کسی بہانے سے اضافہ ہو [جاتا] ہے۔ گرانی کے بوجھ تلے دبے ہوئے بے شمار انسانوں کے مصارف زندگی میں چند پیسوں کے اضافہ سے ان پر قیامت ٹوٹ پڑتی ہے اس کا کوئی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ ان غریب لوگوں میں زیادہ تر مزدور، کلرک، ٹھیلے والے، پھیری لگانے والے، دکانوں پر کام کرنے والے اور دوسرے چھوٹے لاتعداد افراد شامل ہیں جن کی آمدنی گرانی میں اضافہ کے ساتھ نہیں بڑھتی۔ جن مزدوروں کی اجرت کم سے کم ۱۴۰ روپے ماہانہ مقرر کی گئی تھی اوّل تو شاید ہی کسی مل میں ملتی ہو۔ لیکن جہاں ملتی ہے وہ بھی ناکافی رہتی ہے۔ ان کی رقم میں ایک عام آدمی شدید اور لازمی ضرورت کی چیزوں کی خریداری کا بوجھ بھی نہیں اٹھا سکتا۔ قلیل آمدنی کے لوگوں کے بچوں کی تعلیم اور علاج معالجہ کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ روز کھانے پینے کی چیزیں اور تن ڈھانکنے کو کپڑ[ا] بھی انہیں میسر نہیں آ سکتا۔

پٹرول کے دام ریفائنری پر کتنے ہوتے ہیں اور عام صارفین تک پہنچتے پہنچتے ان میں کتنا اضافہ ہو جاتا ہے اس کی تفصیل الگ دی جا رہی ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ایکسائز ڈیوٹی کتنی زیادہ لی جا رہی ہے اور ریلیف سرچارج بدستور قائم ہے۔ ریلیف سرچارج اگر ختم کرنا منظور نہیں تھا تو ایکسائز ڈیوٹی میں جو ڈھائی روپے فی گیلن ہے کافی کمی کی جا سکتی تھی۔ تاکہ عوام پر اضافی بوجھ نہ پڑتا

چین اور دیگر سوشلسٹ ملکوں سے امداد لئے بغیر چارہ نہیں

ٹیکسوں اور گرانی نے غریب عوام کو مزید قربانیاں دینے کے قابل نہیں چھوڑا

کچھ بوجھ حکومت بانٹ لیتی۔ آخر اور دوسری بعض چیزوں کی ایکسائز ڈیوٹی میں بھی تو کمی کی گئی ہے۔ اب اگلے مہینے نئے مالی سال کے بجٹ کا اعلان ہونے والا ہے۔ یہ اندیشہ ابھی سے لوگوں کو گھلائے ڈال رہا ہے کہ موجودہ اقتصادی صورت حال اور بیرونی امداد میں کمی کے پیش نظر مرکزی حکومت اور صوبائی حکومتیں مزید ٹیکس لگانے پر مجبور ہوں گی۔ اس طرح گرانی اور بڑھ جائے گی۔

دوسری طرف ہر شعبے میں اخراجات کم کرنے کے لئے جو اقدامات کئے جا رہے ہیں، ان کا براہ راست اثر بھی صارفین پر پڑ رہا ہے مثال کے طور پر سرکاری ملازموں کے تفریحی الاؤنس کی تنسیخ۔ چھانٹی، تنخواہوں میں کمی کا امکان ملازمین کی جبری چھٹی (ان استحقاقی چھٹیوں کو اگر کام میں نہ لایا جائے تو ملازم سال کے اختتام پر ان کے بدلے ایک بنیادی تنخواہ کا حقدار ہو جاتا ہے) اگر اسے جبری چھٹی پر بھیج دیا جائے تو اس کا یہ بنیادی سہارا بھی چھن جاتا ہے۔

مالی بجت اور اقتصادی کفایت کے یہ اقدامات ہماری بیوروکریسی نے ہی سوچے ہوں گے۔ حالانکہ یہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ حکومت کے جو شعبے کوئی مفید کام انجام نہیں دے رہے ہیں انہیں فوری طور پر بند کر دیا جائے اور ان کے عملے کو زیادہ سود مند فرائض سونپ دیئے جائیں۔ ٹیکسوں کی چوری کی حوصلہ افزائی نہ کی جائے اور سرمایہ داروں سے ٹیکس وصول کرنے کے انتظام بہتر بنائے جائیں۔ نئے ٹیکسوں کے لئے شراب دیگر منشیات، کاسمیٹکس اور ایسی ہی دوسری مدوں کو منتخب کیا جائے اور ایسی مدوں کو ٹیکس محصول چونگی وغیرہ سے مستثنیٰ رکھا جائے۔ جن کا عوام کی زندگی سے براہ راست تعلق ہے۔ زیادہ سے زیادہ ملکی وسائل کو بروئے کار لایا جائے اور قومی وسائل پر جو گنتی کے سرمایہ دار سانپ بن کر بیٹھے ہوئے ہیں ان کی اجارہ داری ختم کر کے قومی وسائل کو وسیع پیمانے پر کام میں لانے کے انتظامات کئے جائیں۔ اس قسم کی دوررس معاشی اصلاحات کے بغیر نہ تو عام آدمی کی حالت سدھر سکتی ہے اور نہ خوش حالی کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو سکتا ہے۔

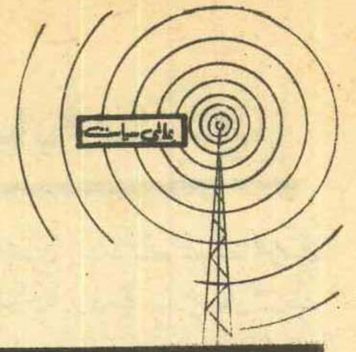
کیا کبھی عام لوگوں کو یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ وزارت اطلاعات کے ریسرچ اینڈ ریفرنس بیورو، قومی تعمیر نو کے بیورو، پاکستان کونسل برائے قومی استحکام اور ایسے ہی دوسرے بہت سے سرکاری شعبوں کا کام اب کیا رہ گیا ہے۔ اور ایوبی دور کے ان یادگار محکموں پر زرکثیر اب کس لئے صرف کیا جا رہا ہے جبکہ ان محکموں کے ملازمین کے پاس کوئی کام بھی نہیں ہے۔ دوسری وزارتوں اور بعض صوبائی محکموں میں بھی غیر ضروری طور پر توسیع کی جا چکی ہے۔ ان کے عملے کے پاس اتنا کام نہیں ہے کہ وہ اپنے تقرر کا جواز ثابت کر سکے۔ اس عملے سے زیادہ مفید کام لئے جا سکتے ہیں۔ جن شعبوں میں کام زیادہ ہے اور عملہ کم ہے وہاں ان محکموں کے فاضل افراد کو کھپایا جا سکتا ہے۔ اس طرح سرکاری کام تیزی کے ساتھ نمٹیں گے۔ سرخ فیتہ کا حکم ختم نہیں ہوگا تو کافی حد تک کم ہو جائے گا۔ ان محکموں کے اور ملازمین بھی کام سے لگے رہیں گے اور حکومت کو نئے ٹیکس لگائے بغیر اپنے انتظامی اور ترقیاتی اخراجات کے لئے بہت سا سرمایہ بھی مل جائے گا۔

بڑے بڑے صنعت کار اور تاجر کس کس ڈھب سے ٹیکس چوری کرتے ہیں حکومت کو اس کا سراغ لگانا چاہیئے۔ حکومت کو اگر ان کا علم ہے تو فوراً ان کی گرفت کرنی چاہیئے۔ پتہ چلا ہے کہ بہت سے مل مالکان نے حکومت کو کروڑوں روپے کا دھوکا دیا ہے۔ یہ تاجر اور صنعت کار حکومت کی طرف سے دی گئی برآمدی مراعات سے ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ انہیں ایکسپورٹ ری بیٹ (Exp Rebate) سسٹم کے تحت ایک ایسی رعایت دی گئی ہے جس سے کھل کر ناجائز فائدہ اٹھانے کا امکان موجود رہتا ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ جتنا مال کوئی مل مالک یا ایکسپورٹر برآمد کرتا ہے حکومت اس مال پر ایکسائز ڈیوٹی اور سیلز ٹیکس کی چھوٹ دیتی ہے جعلساز صنعت کار یہ کرتے ہیں کہ ایکسپورٹ ری بیٹ کے غلط اور فرضی کلیم حکومت کو پیش کر دیتے ہیں اور یوں قومی خزانے کو کروڑوں روپے کا نقصان پہنچاتے ہیں۔

معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ کراچی کے دو آرٹ سلک ملوں نے آرٹ سلک کے کپڑے کی برآمد پر ایک کروڑ ۲۳ لاکھ روپے کا ری بیٹ غیر قانونی طور پر حاصل کر لیا ہے۔

اس واقعہ کا سراغ لگا لیا گیا ہے اور تیزی سے اس کی تحقیقات ہو رہی ہے۔ ایسے ہی اور نہ معلوم کتنے تاجر اور صنعت کار ہوں گے جن کی غیر قانونی سرگرمیاں حکومت کی نظر میں نہیں آ سکی ہیں۔ ان کو لوٹ کھسوٹ سے باز رکھا جائے اور ان سب سے پورا پورا ٹیکس باقاعدگی سے وصول کیا جائے تو ملک کے دلدر کافی حد تک دور ہو سکتے ہیں۔ مگر مشکل یہ ہے کہ ان سرمایہ داروں کی جڑیں بیوروکریسی کے قلب میں پیوست ہیں۔ ان کے جرائم کی پرورش کرنے والے اور ان کی ناجائز آمدنی میں حصہ بٹانے والے افروں سے بھی باز پرس کی ضرورت ہے۔ سراغ لگایا جائے اور دیانتداری سے تحقیقات کی جائے تو ۳۰۳ ہی نہیں لاتعداد مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچایا جا سکتا ہے۔ یہ کام مارشل لاء کی حکومت ہی کر سکتی ہے۔ اُسے دوررس اقتصادی اصلاحات کے سلسلہ میں انتہائی اقدامات سے بھی گریز نہ کرنا چاہیئے۔

ملکی معیشت خاص طور پر مشرقی پاکستان کی معیشت کو سدھارنے کے لئے حکومت جو اقدامات کر رہی ہے۔ ان میں عالمی بنک سے کی گئی یہ درخواست بھی شامل ہے کہ یکم مئی ۱۹۷۱ء سے چھ ماہ کے لئے قرضوں کی ادائیگی ملتوی کر دی جائے۔ بھارت کو قرضوں کی ادائیگی میں یہ رعایت ۱۹۶۸ء میں مل چکی ہے اور بہت سے ممالک بھی یہ رعایت حاصل کر چکے ہیں مگر پاکستان کو پہلی بار اس قسم کی درخواست کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ ہمیں امداد دینے والے ملکوں میں دسمبر ۱۹۶۹ء تک کنسورشیم کی طرف دو ارب، ۶۰ کروڑ ڈالر کی امداد دی گئی اور یہ امداد اور قرضے غیر مشروط نہیں تھے۔ ہمیں اس امداد کے بدلے میں اپنی بہت سی آزادیوں کا سودا کرنا پڑا اور اقتصادی غلامی کا جوا بھی اپنی گردن میں ڈالنا پڑا۔ اس کے مقابلے میں حکومت چین نے پاکستان کو دسمبر ۱۹۶۹ء تک دس کروڑ ڈالر سے زائد امداد مہیا کی ہے۔ صدر یحییٰ خاں جب چین کے دورے پر گئے تو حکومت چین نے ۲۰ کروڑ ڈالر کی امداد کی پیش کش کی اور اب حالیہ بحران کے پیش نظر چین مزید امداد دینے پر آمادہ ہے اور یہ ساری امداد قطعاً غیر مشروط اور بلا سود ہے لیکن چین کی ان پیش کشوں کو فراخدلی کے ساتھ قبول کرنے میں امریکہ کے ساتھ ہمارے خصوصی رشتے اور سیٹو سنٹو سے ہماری وابستگی مانع رہتی ہے۔ عوام سے تو قربانیاں طلب کی جاتی ہیں مگر سیٹو اور سنٹو کو قربان نہیں کیا جا سکتا۔ ایسی بھی کیا اقتصادی مجبوری۔ چین کے علاوہ روس، چیکوسلواکیہ، پولینڈ، یوگوسلاویہ اور دوسرے سوشلسٹ ملک بھی — پاکستان کو امداد دینے پر آمادہ رہتے ہیں اور انہوں نے قرضے اور امداد دی بھی ہے۔ کئی منصوبوں پر انہیں کے دیئے ہوئے سرمائے سے کام ہو رہا ہے مگر ہم اپنی اقتصادی اور سیاسی مصلحتوں کی ہی بنا پر سوشلسٹ ملکوں خصوصاً چین کی امدادی پیش کشوں کو بڑھ کر قبول کرنے سے ہچکچاتے ہیں۔ اگر سرکاری سطح پر اقتصادی پالیسیوں پر بھی نظر ثانی کر لی جائے تو مظلوم اور غریب عوام مزید معاشی قربانیاں دینے سے بچ جائیں گے جو بھوک، ناداری اور احتیاج کی قربان گاہ پر پہلے ہی بھینٹ چڑھ رہے ہیں۔



امریکی عوام خود اپنے ہاتھوں سے سامراجی مقاصد کے سارے طلسم توڑ دیں گے

ویت نام کی جنگ کے خلاف امریکی عوام کا مظاہرہ

امریکہ پھر سے عوامی مظاہروں کی لپیٹ میں ہے "ویت نامی عوام کے قاتلو اپنا خونی کھیل بند کرو" ویت نام ویت نامیوں کا ہے"، "ویتنام کی جنگ بند کرو"، امریکی فوجیں واپس بلاؤ" کے نعروں سے وہائٹ ہاؤس کی دیواریں لرز رہی ہیں۔ امریکی محکمہ دفاع کی عمارت کو جانے والے راستوں کو بند کر دیا گیا ہے۔ واشنگٹن میں جگہ جگہ مسلح پولیس اور عوام میں دست بدست جھڑپیں ہو رہی ہیں۔ اہم مقامات، پلوں اور شاہراہوں پر فوج تعینات کر دی گئی ہے۔ دس ہزار سے زیادہ مظاہرین گرفتار کیے جا چکے ہیں۔ دارالحکومت میں میرین فوجیوں کو ہیلی کاپٹرز کے ذریعے اتارا جا رہا ہے۔ سامراجی پریس کی اطلاع ہے کہ گزشتہ چند روز کے مظاہروں سے شہر میں جنگ کی سی صورت حال پیدا ہو گئی ہے۔ تازہ ترین مظاہرہ امریکہ میں ہونے والے تمام مظاہروں پر بھاری ثابت ہوا ہے۔

صدر نکسن، امریکی عوام کے غیض و غضب کو ٹھنڈا کرنے کے لئے حال ہی میں نکسن تھیوری بھی پیش کر چکے ہیں جس کے مطابق ویت نام سے امریکی فوجیوں کی واپسی کی تعداد پہلے سے بڑھا دی گئی۔ مگر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ "نکسن ڈاکٹرین" کا تازہ ترین نسخہ امریکی عوام پر کارگر ثابت نہ ہوا۔ گولی کڑوی اور زہر میں بجھی ہوئی تھی۔ حلق سے نیچے نہ اتر سکی۔ امریکی عوام زیادہ سختی سے اپنے موقف پر ڈٹ گئے ہیں کہ ویت نام سے امریکی فوج کے مکمل انخلا کا فوری اعلان کیا جائے۔ اور ویت نام ویت نامیوں کے سپرد کر کے امریکی حکومت اپنی برأت کا اظہار کرے"

امریکہ میں جنگ ویت نام کے خلاف ایک بار نہیں سینکڑوں بار مظاہرے ہو چکے ہیں۔ ہر مظاہرہ پہلے سے زیادہ بڑا اور سنگین ہوتا ہے۔ اس بار تو سابق فوجیوں نے بھی مظاہرہ میں حصہ لیا۔ اور امریکی کانگریس کی عمارت کے سامنے اپنے تمغے جلا دیئے۔ امریکی عوام نے اپنے موقف اور عزائم کو کھلے بندوں ظاہر کر دیا ہے۔ وہ ویت نام، افریقہ اور لاطینی امریکہ میں امریکی حکومت کے گھناؤنے کھیل کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ان کے دل ویت نام، افریقہ، لاطینی امریکہ کے عوام کے ساتھ دھڑکتے ہیں۔ وہ دنیا بھر کے مظلوم اور محنت کش عوام کے ساتھ ہیں۔

امریکی حکومت اپنے عوام کے جذبات سے بخوبی آگاہ ہے۔ مگر وہ اپنے سامراجی مقاصد کی تکمیل کے لئے ویت نام کے خونی کھیل کو طول دے رہی ہے۔ صدر نکسن کے اس اعلان کے باوجود کہ "امریکہ بتدریج ویت نام کے معاملات سے اپنے آپ کو علیحدہ کر لے گا اور اقساط میں امریکی فوج واپس بلا لی جائے گی۔ ویت نام کے ہولناک کھیل کی شدت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ جنگ پہلے سے زیادہ شدت اختیار کرتی جا رہی ہے۔ امریکی سامراج اور پٹھو حکومت کو پے در پے شکست کا منہ دیکھنا پڑ رہا ہے۔ مگر امریکی اور پٹھو فوجیں پسپائی کی راہ اختیار کرنے کے باوجود جنگی جرائم کا ریکارڈ قائم کرنے میں لگی ہوئی ہیں۔

امریکی عوام یہ بات خوب جانتے ہیں کہ حکومت ان کی آنکھوں میں دھول جھونک رہی ہے۔ اسی لئے وہ سرکاری اعلانات اور نئے نئے منصوبوں کی شکل میں صدر نکسن اور ان کے مشیروں کے پھیلائے ہوئے جال کو توڑتے جا رہے ہیں۔ حالات کے تیور بتا رہے ہیں کہ ایک دن امریکی عوام خود اپنے ہاتھوں سے سامراجی مقاصد کے سارے طلسم توڑ کر رکھ دیں گے۔


امریکی نوجوان نکسن حکومت کے جارحانہ اقدامات کے خلاف مظاہرہ کر رہے ہیں۔

متحدہ عرب جمہوریہ کے نائب صدر علی صابری کی برطرفی

متحدہ عرب جمہوریہ کے صدر انور السادات نے نائب صدر مسٹر علی صابری کو ان کے عہدے سے برطرف کر دیا۔ نیم سرکاری اخبار الاہرام نے ان کی برطرفی کی تصدیق، ایک دو سطری خبر کی صورت میں کر دی ہے۔ سیاسی مبصرین مشرق وسطیٰ کی تازہ ترین صورتحال میں مسٹر علی صابری کی برطرفی کو بڑی اہمیت دے رہے ہیں۔

مسٹر علی صابری، متحدہ عرب جمہوریہ کی واحد سیاسی تنظیم عرب سوشلسٹ یونین کے جنرل سیکرٹری بھی رہ چکے ہیں۔ ان کا تعلق اس تنظیم کے بائیں بازو سے تھا۔ وہ اپنے سیاسی تفکر اور میلانات سے روس نواز سمجھے جاتے ہیں۔ سابق صدر ناصر کی وفات کے بعد صدر انوار السادات نے انہیں اپنا کابینہ میں نائب صدر کا عہدہ دیا تھا۔

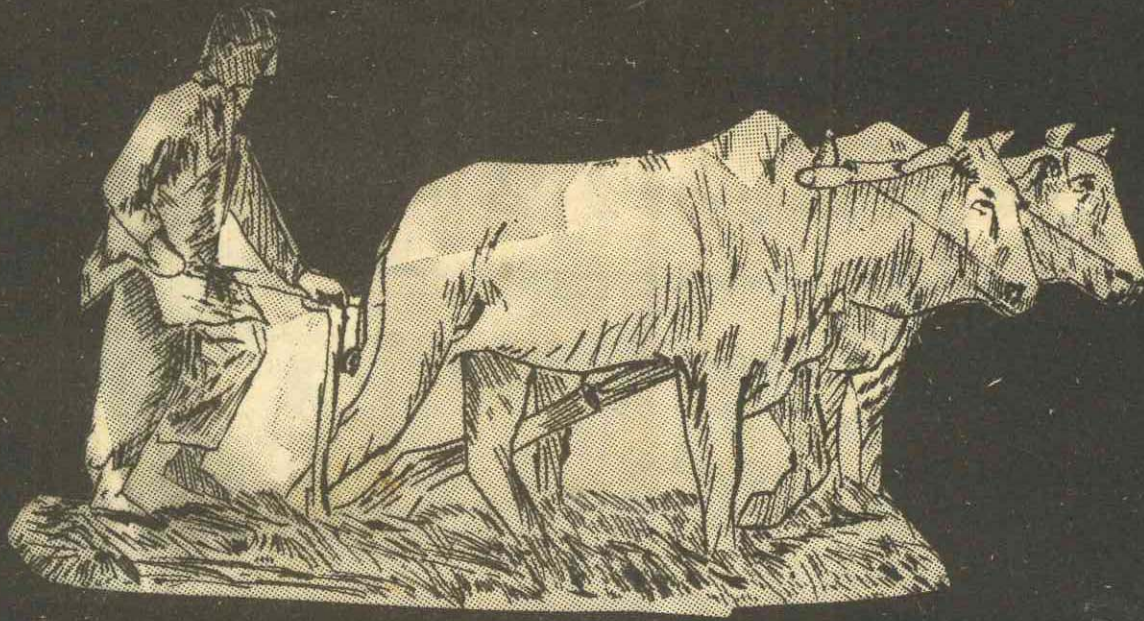
سیاسی مبصرین کا خیال ہے کہ امریکی وزیر خارجہ ولیم راجرس کے دورۂ قاہرہ سے دو روز قبل مسٹر علی صابری کی غیر متوقع معزولی، اس بات کی غمازی کر رہی ہے کہ متحدہ عرب جمہوریہ کے پرانے موقف میں اب پہلے جیسی سختی نہیں رہی اور اگر امریکہ نے عرب اسرائیل جھگڑے کو نمٹانے کے لئے کوئی قابل عمل فارمولا دوبارہ پیش کیا تو متحدہ عرب جمہوریہ کی موجودہ قیادت اسے قبول کرنے میں پس و پیش نہیں کرے گی۔ اس طرح مسٹر علی صابری کی برطرفی مشرق وسطیٰ کے موجودہ حالات میں نئی تبدیلی کا پیش خیمہ قرار دیا جا رہا ہے۔

مسٹر علی صابری کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ وہ امریکی توسط سے عرب اسرائیل تنازعہ کے کسی پر امن تصفیے کے سخت مخالف ہیں اور اسرائیل سے گفت و شنید شروع کرنے سے پہلے وہ عرب مقبوضہ علاقوں کو اسرائیلی فوجیوں سے خالی کرانا چاہتے ہیں۔

مسٹر علی صابری کی برطرفی کی دوسری وجہ داخلی پالیسیوں پر شدید اختلافات بھی بتائی جاتی ہے ـــــ ایک ہفتہ قبل انھوں نے عرب سوشلسٹ یونین کے اجلاس میں مصر، شام اور لیبیا کے مجوزہ وفاق پر اختلاف رائے کا اظہار بھی کیا تھا۔

سندھ کے
ہاریوں کے معاشی
استحصال کی
داستان

— (۱) —



ایک ہاری کی یومیہ آمدنی چھیالیس ۴۶ پیسے ہے

۹۱ فیصد زرعی زمین کے مالک آٹھ ہزار زمیندار ہیں

ابوسفیان

صوبہ سندھ کے ہاریوں کے مسائل پر غور کرنے کے لئے انتہائی ضروری ہے کہ اس علاقہ کے معاشی نظام کا جائزہ لیا جائے ۔ یہاں صدیوں سے پرانا فرسودہ ، جاگیردارانہ نظام معیشت ہے جس کی بنیاد معاشی استحصال اور سیاسی جبر و تشدد پر ہے ۔

صوبہ سندھ کے جاگیردارانہ نظام کا جائزہ لیتے ہوئے مغربی پاکستان میں جاگیردارانہ تسلط پر ایک نظر ضروری ہے ۔

مغربی پاکستان کی ۹۱ فی صد زیر کاشت زمین کے مالک ۸۰۰۰ زمیندار خاندان ۔ باقی ۹ فی صد زیر کاشت زمین کے مالک ۳۷ لاکھ امیر کسان جن کے پاس ۵ ایکڑ سے ۲۲ ایکڑ تک زمین ہے ۔

اسی طرح پورے مغربی پاکستان میں بالعموم اور صوبہ سندھ میں بالخصوص بے زمین کسانوں کی بھاری تعداد ہے جو جاگیرداروں ، زمینداروں اور وڈیروں کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔

بعض الفاظ جن کی تشریح نہایت ضروری ہے۔

ہاری

یہاں ہاری سے مراد بے زمین کسان ہے جو ہل اور بیلوں کی جوڑی کا خود مالک ہے یعنی بے زمین کسان ہونے کے باوجود ذرائع پیداوار (Means of Owner of The Production) کا مالک ہے اور دوسرے کی زمین پر " آدھ بٹائی " پر کام کرتا ہے ۔ ایک اندازہ کے مطابق ان کی تعداد تقریباً ۶۰ فی صد ہے ۔

سڑی ہاری

یہاں سڑی ہاری سے مراد وہ بے زمین کسان ہے جو خود ہل اور بیلوں کی جوڑی کا مالک نہیں ہے بلکہ دوسرے کی زمین پر کام کرنے کے لئے بیلوں کی جوڑی کسی سے مستعار لیتا ہے ۔ یا یہ کہا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا کہ وہ خود ایک ہاری کے پاس اس کے ہاری کی حیثیت سے رہتا ہے ۔ اور فصلوں کی بٹائی کے وقت وہ صرف ۲۵ فی صد بٹائی کا حقدار ہوتا ہے ۔ یعنی " پاور بٹائی " پر کام کرتا ہے ۔ اور " پاور بٹائی " کا مالک ہل اور بیلوں کا مالک ہوتا ہے ۔ معاشی طور پر انتہائی پست ہونے کی بنا پر انتہائی مفلوک الحال ہوتا ہے ۔ ایک اندازہ کے مطابق ان کی تعداد تقریباً ۲۵ فی صد ہے ۔

کھیت مزدور

یہاں کھیت مزدور سے مراد وہ کسان طبقہ ہے جو فصلوں کی بوائی اور کٹائی کے وقت اجرتی مزدور کی حیثیت سے کام کرتا ہے ۔ وہ فصلوں کی بٹائی میں کسی طرح بھی حقدار نہیں سمجھا جاتا ایک اندازہ کے مطابق ان کی تعداد تقریباً ۱۵ فیصد ہے ۔

آدھ بٹائی کا نظام

آدھ بٹائی کا نظام دراصل جاگیردارانہ استحصالی نظام معیشت ہے جسے ظلم و جبر کے بل پر زمینداروں اور وڈیروں نے نافذ کر رکھا ہے " آدھ بٹائی " سے مراد تو یہ لی جاتی ہے کہ فصلوں کی کٹائی کے بعد آدھا حصہ زمیندار کا اور آدھا ہاری کا ، لیکن جب بٹائی شروع ہوتی ہے تو درحقیقت زمیندار بیج ، کھاد اور دیگر اخراجات ہاری کے سر تھوپ کر فصل پر قبضہ کر لیتا ہے ۔ یا ہاری کو نہایت قلیل حصہ ملتا ہے جو چند دنوں کے گزارہ کے لئے بھی ناکافی ہوتا ہے اور ہاری سال بھر فاقوں پر گزارہ کرتا ہے یا زمیندار سے قرض لینے پر مجبور ہوتا ہے ۔

اس طرح آدھ بٹائی کے نظام کے تحت ہاری فصل بہ فصل ، سال بہ سال مقروض ہوتا جاتا ہے اور نتیجتاً وہ چند سالوں میں زمیندار کا معاشی طور پر مکمل غلام بن جاتا ہے ۔ پھر اس کی عزت اور آبرو کا مالک بھی زمیندار بن جاتا ہے ۔ آدھ بٹائی کا نظام ہر سال زمینداروں کے لئے " معاشی غلاموں " کی فوج تیار کرتا ہے ۔ اس جاگیردارانہ نظام معیشت کو برقرار رکھنے میں نوکر شاہی ، زمینداروں اور وڈیروں کی دست و بازو بنی رہتی ہے ۔ جاگیردارانہ لوٹ کھسوٹ کا صحیح جائزہ لینے کے لئے ضروری ہے کہ وہاں کی زمین پر فصلوں کی اوسط پیداوار کا تخمینہ لگایا جائے ۔

سندھ کے بعض علاقوں کی نہایت زرخیز زمینوں کو چھوڑ کر پورے سندھ کی زمینوں کی اوسط پیداوار " گندم ۲۰ من سے ۲۵ من فی ایکڑ ہے ۔ زمیندار اپنے ہاریوں کو عام طور پر کاشت کے لئے ۴ ایکڑ سے ۵ ایکڑ فی ہاری فصل کے حساب سے زمین تقسیم کرتے ہیں ۔ اس طرح ایک ہاری کی اوسط پیداوار گندم ۸۰ من سے ۱۰۰ من ہے ۔

جب گندم کی سنہری بالیوں والے کھیت پک کر تیار ہو جاتے ہیں تو فصل کی کٹائی شروع ہونے سے قبل زمیندار کے مقامی دلال کھرے پر پہنچ جاتے ہیں ۔ کھرا وہ جگہ ہوتی ہے جہاں تمام فصل ایک جگہ جمع کر دی جاتی ہے ۔ اگر ۱۰۰ من گندم کی پیداوار

سندھ کے ہاری اَدھ بٹائی کے استحصالی نظام کی چکی میں پس رہے ہیں

گندم کی سنہری بالیاں اگانے والا دھقان بھوکا ہے ●



مان لی جائے تو اب دیکھنا چاہیئے کہ ہاری کے حصہ میں کتنی بٹائی آتی ہے۔

"آدھ بٹائی" کے اصول کے تحت جو ابھی تک وادی سندھ میں نافذ العمل ہے۔

۱۰۰ من کل پیداوار

زمیندار کا حصہ ۵۰ من، ہاری کا حصہ ۵۰ من۔ (بیج۔ کیمیاوی کھاد، فصلوں کی کٹائی کا خرچہ، دوسرے اخراجات کی رقومات تفریق کرنے سے پہلے)

۱۔ ہاری کے حصہ میں سے بیج اور کیمیاوی کھاد اور دوسرے اخراجات تفریق کیئے جاتے ہیں۔

۲۔ زیادہ تر زمیندار بیج کے پیسے اور دیگر اخراجات ہاریوں سے طلب کرتے ہیں اور کیمیاوی کھاد کا خرچہ آدھا خود ادا کرتے ہیں اور آدھا ہاریوں سے طلب کرتے ہیں۔

۳۔ فصلوں کی کٹائی کے موسم میں تاجر گندم کی قیمتیں بازار میں گرا دیتے ہیں اور فصل سستے داموں خرید لیتے ہیں اور موسم گزرنے کے بعد بیج کی ضرورت کے وقت دام بڑھا دیتے ہیں۔ اور اگر زمیندار بھی بیج فراہم کرنے تو بازار کا حاضر بھاؤ لگاتا ہے۔ مثلاً

گندم کی قیمت (دیہات کے بھاؤ)

کٹائی کے موسم میں ۱۴ روپیہ سے ۱۵ روپیہ من۔ بیج کی ضرورت کے وقت یعنی بوبائی کے موسم میں ۲۰ روپیہ سے ۲۲ روپیہ من۔

زمیندار کیمیاوی کھاد کی قیمتیں ہاریوں سے آمد و رفت کے اخراجات کا عذر دکھا کر زیادہ وصول کرتے ہیں۔

گندم کے بیج اور کیمیاوی کھاد کے اخراجات کا فی ایکڑ تخمینہ اس طرح لگایا جا سکتا ہے

فی ایکڑ کھپت

گندم کا بیج ایک من فی ایکڑ...۔ ۲۰ روپیہ

کیمیاوی کھاد ۳ بوری تقریباً ...۔۹۰ روپیہ

زمیندار کی جانب سے کیمیاوی کھاد کا آدھا خرچہ ادا کرنے کی صورت میں

فی ایکڑ خرچہ

گندم کا بیج ایک من ...۔ ۲۰ روپیہ

کیمیاوی کھاد کا آدھا خرچہ ...۔ ۴۵ روپیہ

میزان = ۶۵ روپیہ

۴ ایکڑ پر ہاری کی جانب خرچہ بیج اور کھاد ۲۶۰ روپیہ

بازار کے اس وقت کے بھاؤ کے مطابق یعنی ۱۵ روپیہ من گندم۔

گندم ۱۷½ من = ۲۶۰ روپیہ

دیہات کی نوکر شاہی مثلاً بیلدار (محکمہ آبپاسی کا ملازم) بیلیہ کھاتہ والا (محکمہ جنگلات کا ملازم) وغیرہ اور زمیندار کے مقامی ملازم مثلاً منشی (جو حساب کتاب پر مامور ہوتا ہے)۔ اور کامدار (زمیندار کا وہ ملازم جو ہاریوں سے کام لینے پر مامور ہوتا ہے)، کا ہر فصل کی بٹائی میں حصہ ہوتا ہے۔ جو ہاریوں کے حصہ میں سے نکالا جاتا ہے۔ ایک اندازہ کے مطابق کل خرچہ ۵ من گندم فی ہاری۔

ہاریوں کے حصہ سے تفریق کی جانیوالی مقدار گندم جو بیج، کیمیاوی کھاد اور دیگر اخراجات کی ادائیگی کی صورت میں لی جاتی ہے۔

بیج اور کیمیاوی کھاد کا خرچہ ۲۶۰ روپیہ = ۱۷½ من گندم۔ نوکر شاہی کی رشوتیں اور دیگر اخراجات = ۵ من گندم۔ کل اخراجات ۲۲½ من گندم

۱۰۰ من گندم کل پیداوار فی ہاری

۵۰ من گندم زمیندار کا حصہ

۵۰ من گندم ہاری کا حصہ

۲۲½ من گندم - کل اخراجات

۲۷½ من گندم اخراجات کے بعد ہاری کی بچت -

ہاری کی اس بچت ۲۷½ من گندم بازار کے بھاؤ کے مطابق قیمت کا تخمینہ ۴۱۲ روپے ۵۰ پیسے چھ مہینے کی کمائی یعنی اوسط فی فصل آمدنی۔

ایک ہاری کی ماہوار اوسط آمدنی ۶۸ روپے ۷۵ پیسے یعنی ۲ روپے ۲۹ پیسے یومیہ ہے ایک ہاری اس رقم سے اپنے خاندان کے چار افراد (کم از کم) کی کفالت کرتا ہے۔ (یعنی باپ، ماں، بیوی بچے لاتعداد) اگر اس رقم ۲-۲۹ روپیہ یومیہ کو کل پانچ افراد خاندان پر تقسیم کر دیا جائے تو ہاری کے افراد خاندان کی فی کس یومیہ آمدنی صرف ۴۶ پیسے۔ جو بمشکل ایک سیر گندم کے برابر ہوتی ہے۔

ان اعداد و شمار سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ دیہات کی بے پناہ غربت و افلاس کی بنیادی وجہ ہمارے ملک کا فرسودہ جاگیردارانہ نظام معیشت ہے۔ جسے بھٹائی کی سرزمین، سچل کی سرزمین میں "آدھ بٹائی" کا نظام کہتے ہیں۔

مندرجہ بالا اعداد و شمار صرف گندم کی فصل کی بٹائی کے پیش کئے گئے۔ اسی طرح دوسری فصلوں مثلاً کپاس وغیرہ میں بھی ہاریوں کو اپنی محنت کا ثمر نہیں ملتا۔ اور وہ سال بھر ہل چلاتے بیج بوتے، فصلوں کو رات بھر جاگ کر پانی دینے قدرتی آفات سے فصلوں کو بچانے کے باوجود نانِ شبینہ کے لئے محتاج رہتے ہیں۔ زمین کا سینہ چیر کر گندم کی سنہری بالیاں اُگانے والا دہقان خود بھوکا رہتا ہے۔

ذاتی مشاہدہ سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ ۷۵ فی صد ہاریوں کے پاس کپڑے کا ایک جوڑا بھی صحیح حالت میں نہیں ہے کپاس کے چاندی جیسے پھول زمین سے اُگا کر وہ ننگا رہتا ہے۔ اور شدید سردی اور شدید گرمی کا مقابلہ کرتے ہوئے صدیوں سے نظام کی تبدیلی کا انتظار کر رہا ہے۔ تعلیم اور علاج اس کے نزدیک بہت بڑی عیاشی تصور ہوتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ بھوک اور بیماریوں کی وجہ سے اموات کے تناسب میں زبردست اضافہ ہو گیا ہے۔

ہاری لوٹ کھسوٹ کی وجہ سے اور فاقوں سے تنگ آ کر زمیندار سے ہر فصل پر ادھار لیتا ہے۔ وہ ہر سال کے سال مقروض ہوتا جاتا ہے۔ اور اس طرح زمیندار کا معاشی غلام بن جاتا ہے۔ اور اگر زمیندار اپنی زمین کسی اور زمیندار کو فروخت کر دے تو یہ معاشی غلام بھی زمین کی منتقلی کے ساتھ نئے آقا کی غلامی میں قرون وسطیٰ کے یورپی غلاموں کی طرح تبدیل ہو جاتے ہیں۔ ان معاشی غلاموں کا سماجی استحصال بھی ہوتا ہے۔ یعنی ان کے گھر کی بہو بیٹیوں کی عزت وڈیروں کی نگاہوں سے محفوظ نہیں رہتی۔ اگر ان کا بیل کبھی غلطی سے کھیت میں

الفتح

گندم کی بالیاں کھالے تو اس سے کئی گنا زیادہ جرمانے کی رقم زمیندار کی جانب سے عاید ہوتی ہے۔ اگر وہ رقم فوری ادا کرنے کی حیثیت میں نہ رہا تو اس کی بھیڑ بکریاں چھین لی جاتی ہیں۔ آندھی، طوفان، بارشوں، سیم وتھور کی وجہ سے فصلوں کو جو نقصان پہنچتا ہے اس کا خمیازہ بھی عام طور پر ہاری کو بھگتنا پڑتا ہے۔ اور قدرتی آفات غریب ہاریوں کے لئے "معاشی قتل" کا پیغام لاتی ہیں۔ اور وہ زمیندار کے قرضوں میں مزید جکڑتا جاتا ہے۔

ہاری زمینداروں کے ہاتھوں انتہائی وحشیانہ طور پر معاشی استحصال کا شکار ہونے کی بنا پر اپنے اندر شدید طبقاتی نفرت کے جذبات رکھتا ہے۔ بعض نام نہاد انقلابیوں کا یہ کہنا حقائق سے روگردانی ہے کہ کسان طبقہ صدیوں کے ظلم کے بعد جاگیردارانہ لوٹ کھسوٹ کو اپنی زندگی کا ایک حصہ سمجھنے لگا ہے درحقیقت کسان طبقہ کسی انقلابی یا طبقاتی تنظیم کی غیر موجودگی کی وجہ سے طبقاتی شعور کو کسی مادی حالت میں تبدیل کرنے میں ناکام رہا ہے۔

سڑی ہاری کی آمدنی کا تخمینہ

جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ سڑی ہاری کو "پاؤ ٹیائی" یا فصل کی کٹائی میں ۲۵ فی صد حصہ ملتا ہے اور ۲۵ فی صد حصہ بیلوں اور ہل کے مالک کو ادا کرنے پڑتے ہیں۔

اس طرح سڑی ہاری کی ماہانہ آمدنی ۴۳ روپے ۴۰ پیسے ہے یا سڑی ہاری کی یومیہ آمدنی ایک روپیہ ۴۴ پیسے ہے۔

اگر زیر کفالت افراد خاندان چار ہیں تو سڑی ہاری کے افراد خاندان کی فی کس یومیہ آمدنی .۳۶۲ پیسے ہوتی ہے۔

سڑی ہاریوں کے حالات زندگی قابل رحم ہوتے ہیں۔ وہ سردی، گرمی، بھوک، پیاس، بیماری، ناداری، جہالت سب کا شکار ہوتے ہیں۔ بے پناہ کوشش کے باوجود وہ اس قابل نہیں ہوتے کہ اپنے لئے اور اپنے افراد خاندان کے لئے دو وقت کی روٹی بھی حاصل کرسکیں۔

کھیت مزدور کی آمدنی کا تخمینہ

کھیت مزدور کو فصل کی بوائی اور کٹائی کے

بقی صفحہ ۲۲ پر ملاحظہ فرمایئں

سندھی کہانی

ممتاز مہر
ترجمہ: ر۔ج۔ روہیلہ

جزا اور سزا



تمام بنی نوع انسان جیو پیٹر دیوتا کے روبرو پیش ہوتے ہیں۔ مرد اور عورتیں، چھوٹے اور بڑے جوان اور بوڑھے سب ہی اپنے فیصلے کے منتظر ہیں۔ دیوتا کے حضور میں ہر ایک کو باری باری پیش کیا جا رہا ہے۔ دربان نام پکارتا جاتا ہے اور انصاف کیا جاتا ہے۔ ایک قطار میں ایک بوڑھا بھی کھڑا ہے۔ سب سے بے نیاز اور اپنے خیالات میں غلطاں و پیچاں۔ وہ ایک مفکر ہے۔ آخر کار اس کا نام بھی پکارا جاتا ہے۔ اپنا نام سنتے ہی وہ چونک پڑتا ہے۔ اور گردن جھکائے ہوئے آہستہ آہستہ آگے بڑھتا ہے۔ جیو پیٹر دیوتا کے پاس دربان کی آواز سننے میں آتی ہے۔

"حضور! آپ کا یہ بندہ اپنے وقت کا ایک بڑا عالم مانا جاتا تھا۔ اس نے اپنے علم و فہم اور عقل کے ذریعے عام انسانوں کو بہت فیض یاب کیا۔ کبھی بھی کسی کو رنج، دکھ اور ایذا نہیں پہنچائی۔ پھر اچانک اس کے خیالات میں تبدیلی آگئی اور جس طرح پہلے آپ کی دی ہوئی ہدایتوں پر عمل کرتا تھا۔ آپ کی دی ہوئی نعمتوں کی تعریف کرتا رہتا تھا، اسی طرح ان ہدایتوں اور نعمتوں کا منحرف ہوگیا اور نہ صرف یہ بلکہ دیوتاؤں کے وجود سے بھی منکر ہوگیا اور آخر وقت تک اس کا عمل ایسا ہی رہا۔"

خاموشی طاری ہوگئی اور جیو پیٹر دیوتا کی آواز سننے میں آتی ہے "اے انسان دیوتاؤں نے تجھ کو زندگی بخشی، دیوتاؤں نے تجھے دنیا کی نعمتوں سے نوازا۔ مجھے بتا کہ آخر تو نے میرے احسانوں کا یہ کونسا بدلہ دیا کہ میرے وجود سے بھی منکر ہوگیا۔ دیوتاؤں کے وجود سے جو زمین اور آسمان کے مالک ہیں۔ آخر کیوں؟" خاموشی طاری ہوجاتی ہے۔ کافی دیر گے بعد بوڑھا اپنی گردن اوپر کرتے ہوئے جواب دیتا ہے "میری پیدائش سے لے کر شعور تک، مجھے ڈر اور خوف کا راستہ دکھایا گیا۔ موت کا، جنت کا، دوزخ کا، جزا اور سزا کا، میں نے ان تمام باتوں پر دل سے یقین کر لیا۔ اور ارادہ کیا کہ ہمیشہ ایسے رستے پر چلوں گا جس کی منزل جنت ہو۔ ایسی جنت جس میں وہ سب آسائشیں میسر ہوں گی جو مادی دنیا میں خواص کو تو میسر ہیں لیکن عوام کو نہیں۔ میں نے اس بات پر یقین کر لیا کہ دولت دینے والے، عزت دینے والے، خوشی عطا کرنے والے اور غم دینے والے وہ دیوتا ہیں جنھوں نے ہم سب کو تخلیق کیا۔ اس لئے صبر اور شکر کے ساتھ دیوتاؤں کی رضا پر راضی رہا۔ لیکن جب میں نے اپنی فکر کو وسعت دی دنیا کا قریب سے مطالعہ کیا تو سوچنے پر مجبور ہوگیا۔ کیونکہ جیسے کہا گیا تھا ویسا نہ تھا۔ امیروں کی بے پناہ دولت دیکھ کر، عیاشی دیکھ کر اور غریبوں کی بے پناہ غربت دیکھ کر، بھوک دیکھ کر، سوچنے پر مجبور ہوگیا۔ میں نے دیکھا کہ کس طرح چند افراد محنت کشوں کی محنت، اور مشقت کے ذریعے مزے اور عیش کی زندگی گزار رہے ہیں۔ اور اس کے برعکس عام آدمی کیسی ذلت اور عذاب والی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ معصوم، لاچار، بے بس اور مجبور آدمی! میں نے معصوم محبت کو قربان ہوتے دیکھا، عورت کو سربازار بکتے دیکھا، لٹتے دیکھا۔ وہ عورت جو ماں تھی، جو بہن تھی، وہ عورت جو زندگی کی ساتھی تھی۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ جابر قوموں نے کمزور قوموں کو مغلوب کرکے ان کی تہذیب و تمدن اور ثقافت کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ میں نے بڑی قوموں کو لوٹ کھسوٹ کرتے ہوئے دیکھا۔ میں نے افراد کو لوٹ کھسوٹ کرتے دیکھا۔ میں نے خوفناک اور تباہ کن جنگوں میں ایسے نظارے دیکھے جو ناقابل بیان ہیں۔ میں نے انسان کو دنیا میں رسوا ہوتے دیکھا۔ اور جیتے جی موت سے ہمکنار ہوتے دیکھا اور میں سوچتا رہا کہ ان باتوں کو روکنے والا کون ہے۔ آخر کیوں ان باتوں کو روکا نہیں جاتا۔ لیکن میں نے دیکھا کہ ان باتوں کو روکنے والا کوئی بھی نہیں تھا۔ اس دنیا میں یہ سب کچھ ہوتا رہا۔ لیکن ان دکھوں اور تلخیوں کے باوجود دنیا حسین تھی۔"

اتنا کہنے کے بعد بوڑھا خاموش ہوجاتا ہے۔ اور جیو پیٹر کی آواز سننے میں آتی ہے۔ "لیکن مجھے تو جزا اور سزا کا فیصلہ کرنا ہے۔ میں دیوتا ہوں ...... اچھا تو ایک مفکر ہونے کے سبب اپنا فیصلہ خود کر کہ آیا تو جنت کا حقدار ہے یا جہنم کا مستحق، بتا۔"

"میں اپنی جزا اور سزا کا فیصلہ کروں؟ میرا تو فیصلہ اسی وقت ہوگیا تھا کہ جب موت نے مجھے میری دنیا سے، میرے آدمیوں سے جدا کر دیا تھا۔ میرا تو فیصلہ، اسی وقت ہوگیا تھا! اب جزا اور سزا کس لئے کیا باقی بچا ہے؟ ہاں اگر مجھے میری ہی دنیا واپس مل جائے، اپنے آدمی واپس مل جائیں تو میں سمجھوں گا کہ میرا فیصلہ ہوگیا۔ جزا اور سزا کا انصاف ہوگیا۔"

بوڑھا خاموش ہوجاتا ہے۔ اور جیو پیٹر سوچ میں پڑ جاتا ہے۔ جزا اور سزا کے فیصلے کے لئے۔ انصاف کے لئے۔ اور جیو پیٹر سوچتا ہی رہا۔

یہ مضمون اُن حقائق پر مبنی ہے جو امریکی وزارتِ
رکن مسٹر ڈیوڈ نیسن نے شائع کئے ہیں مسٹر نیسن ۱۹۶۷
میں امریکی سفارت خانہ کے ناظ

اسرائیلی ریاست کو مزید وسعت دینے



اسرائیلی وزیر اعظم مسز گولڈا میئر صدر نکسن کے پہلو میں بیٹھی ہیں۔

امریکی سفارت خانے اسرائیل کے لئے جاسوسی کرتے ہیں

محمد میاں

کچھ عرصہ کی بات ہے جب اسرائیلی وزیر دفاع موشے دایان امریکہ گیا تھا۔ صدر نکسن نے قصر جمہوریہ میں اس کا خیر مقدم کیا تھا۔ حلف اوقیانوس (نیٹو) اور حلف جنوب مشرقی ایشیا (سیٹو) کے کسی بھی فوجی قائد کے لئے یہ اعزاز تقریباً ناممکن ہے کہ قصر عالم کے ساتھ وہ ایک جام نوش کر سکے یا اس کے ساتھ براہ راست گفتگو کر سکے۔ ان ممالک کے لئے امریکی حکومت کے معتمد دفاع یعنی لیرڈ یا معتمد خارجہ روجرز تک کی باریابی بھی انتہائی تکریم کا باعث ہوتی ہے۔

قیام اسرائیل کو تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ امریکی صدر ٹرومین نے ایک بیان میں یہ کہا تھا "ہم نے حلف لیا ہے کہ اسرائیل کی ریاست کافی وسیع ہوگی، خود مختار ہوگی اور اس قدر قوی ہوگی کہ اپنے باشندوں کو خود کفیل اور محفوظ رکھ سکے گی"۔ امریکہ کے صدر کا یہ پیمان اب تک قائم ہے۔ امریکہ بڑھ چڑھ کر وف سے اقتصادی اور جاسوسی کے میدان میں اسرائیل کی ہر ممکنہ مدد کر رہا ہے۔ دونوں ملکوں کے باشندے دوہری شہریت بھی رکھ سکتے ہیں۔ سفارتی میدان میں ان کا تعاون روزمرہ کا مشاہدہ ہے۔ غالباً برطانیہ کو چھوڑ کر امریکہ کے کسی بھی دوسرے ملک سے اس قدر گہرے تعلقات نہیں ہیں۔

امریکی صحافت یا ابلاغ کے دیگر وسائل کے ذریعہ اسرائیل کے کسی بھی فعل پر تنقید تقریباً ناممکن ہے۔ بقول جریدہ نیویارک ٹائمز کے جیمز ریسٹن کے "آپ ایک مسلمہ کے طور پر یہ یاد رکھئے کہ اسرائیل کی سیاست عملی پر آپ کی معمولی تنقید پر بھی تعصب صیہون کا الزام لگ جائے گا"۔ دوسری طرف اسرائیل کی مدح میں قصیدوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے۔ چھوٹی سی جمہوری سلطنت ہے۔ بڑی باہمت ہے۔ خونخوار اشتراکیوں کے حلیف وحشی عربوں کے درمیان گھری ہوئی ہے۔ امریکیوں کی اکثریت کی نظر میں اسرائیل کی یہ تصویر اب جاگزیں ہو چکی ہے۔ آجکل پادری بلی گراہم کی عنایت سے ہر ماہ امریکہ کے بارہ ہزار گرجوں میں ایک رنگین فلم دکھائی جا رہی ہے۔ جو امریکہ میں اسرائیل کا مندرجہ بالا خاکہ پیش کر رہی ہے۔

۱۹۴۸ء سے ۱۹۶۸ء تک کی بیس سالہ مدت میں امریکی حکومت ۱۱۰۰٬۰۰۰٬۰۰۰ ڈالر (کراچی کے کھلے بازار کے حساب سے ۱۱۰۰۰٬۰۰۰٬۰۰۰ روپے) کی اسرائیل کو امداد دے چکی ہے جبکہ امریکی یہودیوں اور ان کے حمائتیوں نے ۲۵۰۰٬۰۰۰٬۰۰۰ ڈالر (۲۵۰۰۰٬۰۰۰٬۰۰۰ روپے) اسرائیل بھیجے ہیں۔ یعنی اس دوران میں اسرائیل کو امریکہ سے ۳۶۰۰۰٬۰۰۰٬۰۰۰ روپے موصول ہوئے ہیں۔ اسرائیل کی آبادی ۲۵ لاکھ ہے جس کے معنے یہ ہوئے کہ اس ملک کے ہر فرد کو امریکہ کی طرف سے ۱۴۰۰ ڈالر (۱۴۰۰۰ روپے سے زیادہ) کی امداد ملی ہے. جبکہ اسی منطقہ کی ۱۳ دوسرے ممالک کو ۳۵ ڈالر فی نفر کے حساب سے امریکی امداد میں بے انتہا اضافہ ہوا ہے۔ ۱۹۷۰ء میں اسرائیل کو ۸۰۰٬۰۰۰٬۰۰۰ ڈالر ملے تھے جبکہ ۱۹۷۱ء میں انکو ۵۰۰٬۰۰۰٬۰۰۰ ڈالر امریکہ سے ملنے کی توقع ہے۔

۱۹۶۷ء تک امریکہ اسرائیل کو جرمنی اور فرانس کی وساطت سے ہتھیار مہیا کرتا رہتا تھا تاکہ وہ شرق اوسط میں رجعتی عناصر کی مدد سے اپنا اثر و نفوذ بھی برقرار رکھ سکے۔ جب جرمن تاوان کی ادائیگی کا سلسلہ بند ہوگیا اور آنجہانی صدر ڈیگال کے ہاتھوں فرانس کی سیاست خارجہ میں تبدیلی نمودار ہوئی تو امریکہ کھلے بندوں اسرائیل کو مسلسل اسلحہ فراہم کرنے لگا۔ اس بارے میں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ امریکہ اسرائیل کو انتہائی تباہ کن ہتھیار فراہم کر رہا ہے۔ جن میں طیارے، میزائل اور الیکٹرونک آلات شامل ہیں۔ اس کے مقابلہ میں یونان، ایران اور ترکی جیسے امریکہ کے حلفاء کو جن کی روس سے سرحدیں بھی ملتی ہیں۔ امریکہ نے مقابلتاً کم موثر ہتھیار دیئے ہیں۔ امریکہ نے اب تک ان ملکوں کو فنٹم جہاز نہیں دیئے ہیں جو اسرائیل نے ۱۹۶۷ء میں عربوں کے خلاف استعمال کئے تھے۔ امریکہ کے نیابتی ایوان (ہاؤس آف ریپریزنٹیٹو) نے صدر امریکہ کو یہ حق دے دیا ہے کہ وہ جتنی بھی رقم کا اسلحہ چاہیں اسرائیل کو دے دیں۔ مسٹر میک کورمک کے بقول:

"بیالیس سال سے میں اس ایوان کا رکن ہوں لیکن میں نے یہ ایسی بات پہلے نہیں سنی تھی"۔

برطانیہ کو جنگ کے سخت ترین مرحلہ کے دوران امریکہ سے کبھی ایسا کھلا چیک ہرگز نہیں ملا تھا۔ بلکہ جنوبی ویٹ نام کو بھی امریکہ نے اتنے مہلک ہتھیار اب تک نہیں دیئے ہیں۔ گزشتہ دسمبر میں امریکی سینٹ میں ایک قرارداد پیش کی گئی تھی۔ جس کے مطابق کانگریس کی منظوری کے بغیر صدر کو یہ اختیار نہیں کہ وہ امریکی فوج اسرائیل بھیج سکے۔ امریکی یہودیوں کے زیر اثر بہت سے ایسے کانگریس کے ارکان جنھوں نے کمبوڈیا کے لئے اس قسم کی قرارداد کی موافقت کی تھی۔ امریکی فوج اسرائیل میں بھیجنے کے لئے صدر امریکہ کو اختیار دینے کے حامی تھے۔

جب مصر کو روس نے ہوائی مار کرنے والی میزائیل دیں تو امریکی رویہ قابل دید تھا۔ اس واقعہ کی آڑ لے کر وہ اسرائیل کے ذخیرہ حرب میں مسلسل خطرناک حد تک اضافہ کر رہا ہے۔

جوہری ہتھیاروں کے بارے میں حکومت امریکہ نے دنیا کے ایک سے زیادہ ممالک پر مسلسل زور ڈالا تھا کہ وہ ایسی ہتھیار سازی کی دوڑ سے الگ رہیں۔ مگر اسرائیل اس بارے میں مستثنیٰ تھا۔ اس کے برعکس امریکہ نے اسرائیل کو اس سلسلہ میں ہر ممکنہ امداد فراہم کی۔ کیلی فورنیا کی رینڈ کارپوریشن نے حکومت امریکہ کی ایما پر اسرائیل کو اس بارے میں

امریکی
جہان
لبرٹی پر
اسرائیلی
فضائیہ
کا حملہ

•

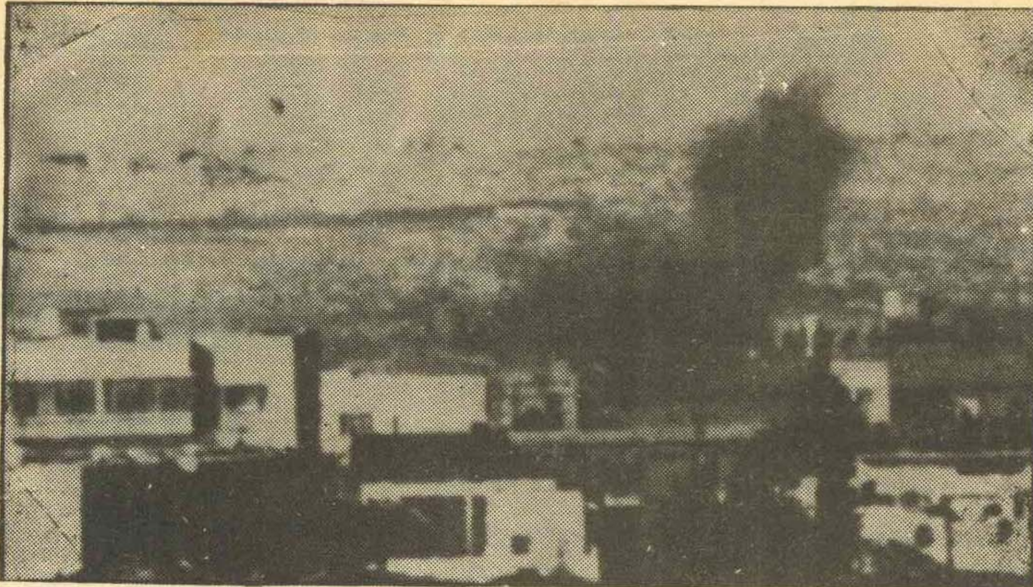
امریکی حکومت
کی گہری
خاموشی

•

الفتح کراچی

...ت خارجہ کے سابق
...۱۹۶۷ء کی جنگ سے قبل قاہرہ
...ظم الامور تھے

...نے کا سامراجی منصوبہ



امریکی اسرائیلی گٹھ جوڑ سے عربوں کی ایک شہری آبادی پر گولے برسائے جارہے ہیں

۱۹۴۸-۱۹۶۸ء کے دوران ہر اسرائیلی کو ۱۴۰۰ ڈالر کی امریکی امداد ملی، جو کراچی کے کھلے بازار کے بھاؤ کے مطابق ۱۴ ہزار روپے ہوتے ہیں

انتہائی اہم فنی معلومات فراہم کیں۔ جن کے تحت اسرائیل کو مشرق اوسط میں جوہری اسلحہ کے بہترین استعمال کا طریقہ بھی سکھایا گیا۔

جوئیش پریس مجریہ دسمبر ۱۹۷۰ء اسرائیل کی جوہری صلاحیت کے بارے میں رقمطراز ہے "شش روزہ جنگ سے قبل ماہرین یہ کہتے تھے کہ بھارت جوہری ٹولی کا اگلا رکن ہو گا لیکن اب ان کا خیال ہے کہ اس ٹولی کا آئندہ رکن اسرائیل ہو گا۔" دراصل یہ خیال اب حقیقت میں تبدیل ہو جائے۔ کئی سال پہلے وہمونہ اور نہال شوریک کے جوہری ری ایکٹر ہر سال اتنا پلوٹونیم بنا لیتے ہیں جو ۲۵ کیلوٹن کے ہر سال دس گولے بنانے کے لئے کافی ہے۔ اسرائیلی فوج کے شعبۂ جاسوسی کے سربراہ جنرل ہراکبی کا مقالہ "جوہری جنگ اور جوہری امن" جو حال ہی میں شائع ہوا ہے۔ مشرق اوسط میں جوہری ہتھیاروں کے استعمال پر متند مانا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ امریکہ میں آج بھی اس بات پر تنقید کی جاتی ہے کہ فرانس کو جوہری ہتھیار بنانے کی کیا ضرورت تھی حالانکہ امریکہ نے اسرائیل کو جوہری ہتھیار بنانے میں پوری طرح مدد دی ہے۔

جون ۱۹۶۷ء کی جنگ سے کئی ماہ قبل امریکہ اپنے سفارت خانوں، سی آئی اے اور فوجی جاسوسی کے ذرائع سے امریکی حربی ضروریات پر نہیں بلکہ اسرائیل کی حربی ضروریات پر معلومات جمع کر رہا تھا۔ ۵ جون ۱۹۶۷ء کو اسرائیلی فضائیہ کو مصری ہوائی اڈوں اور ہوائی جہازوں کی صورتحال امریکی ذرائع سے حاصل ہوئی تھی۔ اقتصادی اور حربی امداد کے علاوہ واشنگٹن میں اسرائیلی سفارت خانوں کو وہ سب اطلاعات فراہم کر دی جاتی ہیں جو امریکی سفارت خانے اپنی حکومت کو مشرق اوسط سے مسلسل بھیجتے رہتے ہیں۔ ۱۲ فروری ۱۹۷۰ء کے وال اسٹریٹ جرنل میں رے وکرز نے اس امریکی اور اسرائیلی جاسوسی تعاون کی تفاصیل پیش کی تھیں۔ امریکی بحریہ کے جاسوس جہاز لبرٹی پر اسرائیلی فضائیہ اور بحریہ نے جون ۱۹۶۷ء میں حملہ کیا تھا۔ نتیجتاً ۳۴ امریکی مر گئے تھے اور ۷۱ زخمی ہوئے تھے۔ اس واقعہ پر امریکی ردعمل برائے نام تھا۔ اگر ایسی غلطی برطانیہ یا فرانس سے ہو جاتی تو طوفان بپا ہو جاتا اور اگر مجرم مصر ہوتا تو قیامت برپا کر دی جاتی۔

اسرائیل کے باشندے اسرائیلی اور امریکی دوہری قومیت رکھنے کے بھی مجاز ہیں۔ امریکی باشندہ اگر دوسری قومیت اختیار کر لے تو اس کی امریکی قومیت خطرہ میں پڑ جاتی ہے۔ سپریم کورٹ کے ایک حالیہ فیصلہ کی رو سے امریکی باشندے اسرائیلی فوج میں شامل ہو کر لڑ بھی سکتے ہیں۔ اور امریکی شہریت کے حقوق بھی رکھ سکتے ہیں۔ اسرائیلی قانون کے بموجب امریکی یہودی اسرائیل میں داخل ہوتے ہی مقامی قومیت کے حقدار ہو جاتے ہیں۔

جون ۱۹۶۷ء کی جنگ کے بعد سے امریکہ اسرائیل کی جنونی حد تک امداد کر رہا ہے۔ اس سے پہلے امریکہ اسرائیل کی اراضی کے تحفظ کا ذمہ دار تھا اور اس کو مالی امداد فراہم کرتا تھا۔ امریکہ کی کوشش یہ تھی کہ اسرائیل نے ۱۹۴۸ء میں جو اراضی اس کی اور برطانیہ کی مدد سے حاصل کر لی تھیں ان پر صیہونی قبضہ باقی رہے۔ لیکن اب امریکہ مشرق اوسط میں عسکری توازن کے نام پر جون ۱۹۶۷ء میں غصب کردہ اراضی پر اسرائیل کا قبضہ مستقل کرانے کی فکر میں ہے حالانکہ یہ حرکت هیئۃ الاہم کے فیصلہ کے خلاف ہے۔ امریکہ یہ چاہتا ہے کہ اسرائیل کے قبضہ میں ایسے مقامات مثلاً شرم الشیخ۔ سطح مرتفع جولان وغیرہ باقی رہیں جہاں سے اسرائیل جب چاہے عرب ممالک کے خلاف باسانی جارحانہ اقدامات کر سکے۔ اسی طرح فلسطین کے باشندوں کا بھی مسئلہ ہے۔ جنہیں هیئۃ الاہم کے فیصلہ کے مطابق اپنے وطن واپسی کا حق ہے اور امریکہ بھی اس فیصلہ کی ۱۸ سال تک حمایت کرتا رہا تھا۔ اب اسرائیل کے باشندوں کی نسل کے تحفظ کے نام پر امریکہ فلسطینی مہاجروں کی واپسی کے بھی خلاف ہو گیا ہے۔ ۱۰ دسمبر کی پریس کانفرنس میں جب نکسن سے اسرائیل کی مقبوضہ اراضی کی واپسی کے بارے میں سوال کیا گیا تو اس نے پہلی مرتبہ هیئۃ الاہم کے فیصلہ کی حمایت سے یہ کہتے ہوئے احتراز کیا کہ اس بارے میں گفت و شنید ہو سکتی ہے۔

امریکہ کی وزارت خارجہ، اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے اعلیٰ مناصب پر وہی لوگ پہنچ سکتے ہیں جن پر صیہونیوں کو اعتماد ہو۔ امریکی صحافی ایوانز اور نوواک نے حال ہی میں یہ خبر شائع کی تھی کہ هیئۃ الاہم میں امریکی سفیر چارلس یوسٹ کے بارے میں صیہونی ٹولہ نے یہ مطالبہ کیا تھا کہ اس سے استعفیٰ طلب کیا جائے۔

صیہونیوں کا امریکہ کی صحافت اور کانگریس پر بڑا غلبہ ہے۔ ٹرومین کے عہدے سے لے کر اب تک ہر امریکی صدر نے یہ کوشش کی ہے کہ اسرائیل سے گہرا تعاون کیا جائے۔ امریکہ سیاست خارجی کا اہم اصول ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب موشے دایان امریکی صدر سے ملا تو اس کی اس قدر تکریم کی گئی تھی جو برطانیہ کے وزیر اعظم ہیتھ بلکہ فرانس کے صدر پومپیدو جیسے زعماء کے شایان شان تھی۔

امریکہ اور اسرائیل کے گہرے تعلقات کی تہ میں کیا عوامل کارفرما ہیں اس کا جواب صرف تاریخ دے سکے گی۔ کیونکہ فی الحال تو ان پر صیہونی سازش کے گہرے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ امریکہ اپنی طاقت کے نشہ میں اس قدر چور ہے کہ اس سے عقلی، اخلاقی یا انسانی اصولوں کی پابندی طلب کرنا سعی لاحاصل ہے

...ریکی
...ساز
...پر
...ائیلی
...انیہ
...سلہ
...حکومت
...سری
...اموشی

ہندوستان میں انقلابی جدوجہد - آخری قسط

"تم اپنے طریقے سے لڑو، ہم اپنے طریقے سے لڑیں گے"

بھارت کے انقلابی کسانوں کا نعرہ

ڈانگے ٹولے کی ریاکاری

جب ۱۹۶۲ء میں ہند کی حکومت نے چینی سرحدی محافظوں کے خلاف حملے کا آغاز کیا تو پارٹی کے کارکنوں پر ڈانگے کے ٹولے کے ریاکارانہ کردار کی قلعی کھل گئی۔ پارٹی نے ڈانگے ٹولے کے کے خلاف بغاوت کر دی۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے رانا دیو ٹولے نے ۱۹۴۸ء کی طرح پھر پارٹی کی قیادت پر قبضہ کر لیا ۱۹۶۴ء میں ساتویں پارٹی کانگریس میں اپنائے جانے والے پروگرام میں بھی انھوں نے ہندوستان کو ایک آزاد ریاست کے طور پر پیش کیا ہے۔ اور یہ فرض کرتے ہوئے کہ ہند کے بڑے سرمایہ دار کا کردار سامراج دشمن ہے۔ انھوں نے اعلان کیا ہے کہ روسی امداد ہند کی آزادی کا تحفظ کرے گی۔ اور امریکی سامراج کے مقابل تضاد کو ابھارنے میں معاون ہو گی۔ وہی ٹراٹسکی نواز نظریے ساتویں کانگریس کے پروگرام میں بھی اپنائے گئے ہیں۔ ہندوستانی انقلاب کو براہ راست سوشلسٹ انقلاب کہنے کی بجائے اسے عوامی جمہوری انقلاب کے دوسرے مرحلے کے طور پر پیش کر کے ٹیلاد یو ٹولے نے چال چلی ہے۔ ابھی ساتویں کانگرس ختم ہی ہوئی تھی کہ پولٹ بیورو کی جانب سے یہ اعلان کیا گیا کہ مسلح جدوجہد پارٹی کے بالکل زیر غور نہیں اور یہ کہ پارٹی قانونی اور پارلیمانی راستہ اپنائے گی یہ "نتیجتاً" ساتویں کانگریس کے بطن سے کسی انقلابی پارٹی کی بجائے ایک اور بورژوا پارٹی پیدا ہوئی اور اب اس پارٹی نے ڈانگے ٹولے سے اشتراک کر کے دنیا کے رجعت پسند عناصر کے ساتھ اتحاد کر لیا ہے اور ایک ایسی پارٹی کا روپ اختیار کر لیا ہے جو ہندوستانی عوام کی دشمن ہے اور ہندوستانی عوام کی جدوجہد آزادی کو دبانے کے لئے ایک آلہ کار بنی ہوئی ہے۔ پھر اس زمانے نے دنیا کی ساکھی جو دھراہٹ کے لئے روسی اور امریکی سامراج کا بڑھتا ہوا اشتراک دیکھا ہے۔ سوویت یونین میں بورژوا آمریت قائم ہو چکی ہے روسی کا ترمیم پسند ٹولہ امریکی سامراج کے ہم رکاب ہو کر آزادی کی ہر قومی جدوجہد کی مخالفت کر رہا ہے۔ اور اس نے ہند پر اپنی نیم نوآبادیاتی گرفت مضبوط کر لی ہے۔ ان سب باتوں کے باوجود دانگو یو ٹولہ نہ صرف روسی امداد کا مدح خوان ہے بلکہ ہندوستانی بورژوا طبقے کے بیرونی مفاد کے محافظ اور نوکر شاہی کردار کے باوجود اس جھوٹ کی تشہیر کرتا ہے کہ وہ آزاد اور خود مختار ہیں اور یوں یہ لوگ ہند کی انقلابی جدوجہد کو سرمایہ دار طبقے کا دم چھلا بنانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ جاگیرداروں کے ہاتھوں کاشت کار طبقے کے استحصال کا غلط اندازہ کر کے وہ زرعی انقلاب کی اہمیت کو کم کر رہے ہیں اور کسان تحریک کو سمجھوتے کی راہ پر چلانا چاہتے ہیں۔ لہٰذا آج کا اہم ترین کام یہ ہے کہ ایسی کمیونسٹ پارٹی بنائی جائے جو مارکسزم لینن ازم اور ماؤزے تنگ کے افکار سے مسلح ہو آج نکسل باڑی تحریک کے شرارے ہند کے بہت سے صوبوں کو اپنی لپیٹ میں لے چکے ہیں اور جلد ہی یہ نئے سے نئے علاقوں میں پھیلتے جائیں گے اور ہند چینی عوام کے دشمنوں، امریکی سامراج، روسی سوشل سامراج، ہندوستانی گماشتہ نوکر شاہی سرمایہ داری اور جاگیرداری کی بیخ کنی کے بغیر ہندی عوام کے کسی مسئلے کو حل نہیں کیا جا سکتا۔ ایسے میں نہ تو ہندوستان پر مسلط تاریکی چھٹ سکتی ہے اور نہ ہند ترقی کی راہ پر کوئی قدم آگے بڑھا سکتا ہے۔

زرعی انقلاب اور کسانوں کا کردار

ہندوستان میں یہ انقلابی پارٹی قائم کرتے ہوتے یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ ممکن ہے ہندوستانی پارٹی کو دائیں اور بائیں دونوں بازوؤں کی جانب ہٹ کر چلنا پڑے۔ کیونکہ ہند کے مزدور طبقے کی نمائندہ پارٹی نے اس سے پہلے زرعی انقلاب میں کاشت کار طبقے کے پر کبھی سنجیدگی سے غور نہیں کیا۔ چیئرمین ماؤ نے ہمیں سکھایا ہے" ہمارے دشمن کون ہیں اور ہمارے دوست کون ہیں؟ یہ سوال انقلاب کے لئے اوّلین اہمیت کا حامل ہے۔ چین میں اس سے پہلے کی انقلابی تحریکوں کی زیادہ آگے نہ بڑھ سکنے کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے اصلی دشمنوں سے نبرد آزما ہونے کے لئے اپنے اصل دوستوں سے ہاتھ نہیں ملا پاتے تھے۔ ایک انقلابی پارٹی عوام کی رہنما ہوتی ہے اور اگر انقلابی پارٹی ہی انہیں غلط راہ پر ڈال دے تو کوئی انقلاب کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اور اس بات کے بارے میں پُر یقین ہونے کے لئے کہ ہمیں اپنے انقلاب میں یقینی کامیابی ہو گی اور ہم اپنے عوام کی غلط رہنمائی نہیں کریں گے۔ اپنے اصل دشمنوں سے نبرد آزما ہونے کے لئے ہمیں اپنے اصل دوستوں کے ساتھ باہم یکجا ہونے پر توجہ دینی چاہیئے۔ اور اصل دشمنوں اور اصل دوستوں کے مابین تخصیص کے لئے ہمیں چینی معاشرے میں مختلف طبقوں کی معاشی حیثیت اور انقلاب کے بارے میں ان کے رویوں کا عوامی تجزیہ کرنا چاہیئے۔"

اگر ہمارے غریب اور بے زمین کاشتکار جو کہ ہمارے کسان طبقے کی اکثریت اور مزدور طبقے کے رفیق ہیں، ہمارے درمیانہ طبقے کے کاشتکاروں کے ساتھ متحد ہو جائیں تو یہ ہندی عوام کے سب سے بڑے گروہ کا اتحاد ہو گا۔ اور جمہوری انقلاب کو "یقیناً" کامرانی ہو گی۔ انقلاب کے رہنما کی حیثیت سے محنت کش طبقے کا یہ فرض ہے کہ وہ ہمارے انقلاب کی اصل قوت یعنی کسان طبقے کے ساتھ متحد ہو اور مسلح جدوجہد کے ذریعے اقتدار کے حصول کی کوشش کرے تمام انقلابی طبقوں کا انقلابی محاذ کسان مزدور اشتراک کی بنیاد پر ہی قائم ہو گا۔ محنت کش طبقے کی پارٹی ہونے کی حیثیت سے یہ کمیونسٹ پارٹی کی بڑی ذمہ داری ہے کہ وہ کسان کو منظم کرے اور مسلح جدوجہد کے ذریعے اقتدار کی جانب گامزن ہو۔ اس کام کو پورا کرنے کے لئے انقلابی کمیونسٹ پارٹی کو چیئرمین ماؤ کے افکار کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ صرف چیئرمین ماؤ کے افکار ہی کسانوں کو انقلابی محاذ پر لا سکتے ہیں۔ اور صرف چیئرمین ماؤ کا عوامی جنگ کا نظریہ ہی ایک ایسا ہتھیار ہے جس سے لیس ہو کر ایک ظاہری طور پر کمزور طاقت ایک ظاہراً طاقتور دشمن کے خلاف نبرد آزما ہو سکتی ہے۔ اور فتح حاصل کر سکتی ہے۔ محنت کش طبقے کے زیر سرکردگی انقلابی کسان جدوجہد کا بنیادی طریقہ گوریلا جنگ ہے۔ ہمیں چیئرمین ماؤ کی یہ تعلیم ذہن میں رکھنی چاہیئے "گوریلا جنگ بنیادی شے ہے لیکن مناسب صورت حال میں کھلی جنگ کا کوئی موقع مت گنواؤ"۔ کامریڈ لن پیاؤ کے الفاظ میں ہمارے طریق ہائے کار یہ ہیں "تم اپنے طریقے سے لڑو، ہم اپنے طریقے سے لڑیں گے ہم اسی وقت لڑ سکتے ہیں جب ہم جیت سکتے ہوں اور جب نہ جیت سکیں تو پیچھے ہٹ جاتے ہیں"۔ محنت کشوں کی پارٹی کا کام محض ان طریقوں پر عبور ہی نہیں بلکہ تمام دوسری انقلابی قوتوں کو زرعی انقلاب کے بنیادی پروگرام پر مجتمع کرنا بھی ہے۔ انقلابی پارٹی اپنی اس ذمہ داری سے اسی صورت میں عہدہ برا ہو سکتی ہے۔ جب وہ چیئرمین ماؤ کے افکار کی تعلیم حاصل کرے۔ ان کے سکھائے ہوئے اسلوب کار اور خود تنقیدی کے اصولوں کو اپنائے۔

استحصال زدہ عوام کے لئے امید کی کرن

ہند کے جمہوری انقلاب میں تاخیر نے امریکی سامراج اور روسی سوشل سامراج کو موقع دیا ہے کہ وہ دنیا کے رجعت پسند عناصر کو یکجا کر لیں اور دنیا کے مختلف ملکوں میں آزادی کی تحریکوں کی مخالفت کریں امریکی

باقی صفحہ ۱۶ پر ملاحظہ فرمائیں



مصنف : تورے زیتر ہوم

شنگھائی کی عورتیں

ترجمہ
جمیل الدین عالی
افضل صدیقی

ڈرامہ "شنگھائی کی عورتیں" دنیا کی بہترین تحریروں میں سے ایک ہے۔ مصنف نے آزادی سے قبل چین کے جاگیردارانہ دور کے مظالم کی کہانی ڈرامہ کے قالب میں ڈھالی ہے۔ ——— ۲

دان : شکریہ آپ کا (منہ بنا کر حاضرین کی طرف رُخ کرکے) آج ایسا چھٹی مرتبہ ہُوا ہے۔

دوسری عورت : میرا خیال ہے اجنبی تم ہمارے اتنے بڑے ملک کی سیر کرتے ہُوتے تھک گئے ہو۔ میں بھی صُوبہ کانسو میں سنگویان سے پیکنگ تک پیدل گئی تھی۔ اُس بچے کے کھانے کی تلاش میں جو میری پیٹھ پر لدا تھا۔ اُس کے دو بھائی بھوک سے مر چکے تھے۔ اور اُس کی بہن کو ہم نے ایک زمیندار کے ہاتھ دس ڈالر میں فروخت کر دیا تھا۔ جب میرے شوہر کو چیانگ کائی شیک کی فوج میں زبردستی بھرتی کر لیا گیا تو ہمارے پاس گذارے کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ پیکنگ تک پیدل سفر میں مجھے آٹھ ماہ لگے لیکن جب میں شہر کی حدود میں پہنچی تو جاپانیوں نے شہر میں سب کا داخلہ بند کر رکھا تھا۔ میں نے اپنی سی کوشش کی مگر جاپانی سپاہیوں نے مجھے پکڑ لیا، اور اتنا مارا اتنا مارا کہ میں بیہوش ہوگئی۔ اُف میری کمر ابھی تک بانس کی طرح سخت ہے۔ افسر جاپانیوں نے مجھے جانے دیا، اور بچے کو بھی، اُس سال ہوپی میں اچھی فصل ہُوئی۔ اس لئے ہم زندہ بچ گئے۔

دان : (حاضرین کی طرف مڑتا ہے۔ پاگلوں کی سی ہنسی) بہت دلدوز واقعہ ہے۔ کیا خیال ہے تمہارا؟ لیکن میں اس دھوکے میں آنے والا نہیں۔ تاہم یہ بات ماننی پڑے گی کہ یہ ہے کارنامہ۔ کانسو سے پیکنگ تک پیدل سفر، جیسے اسٹاک ہوم سے روم تک کا سفر۔ اور پھر اپنی کمر پر بچے کو لادے ہُوئے۔ کیا یہ جھُوٹ نہیں ہے۔ کیا اِس کے بہت سر پر جھُوٹ نظر آتا ہے (ترجمان سے مخاطب ہو کر) کیا اس نے پُورا راستہ پیدل طے کیا۔ ایک دفعہ بھی ٹرین میں نہ بیٹھی؟

دوسری عورت : ٹرین میں اور میں؟ (دُوسری عورتوں کی طرف رُخ کرکے) ان کا خیال ہے کہ میں نے ٹرین میں سفر کیا۔

(عورتیں اسکول کی بچیوں کی طرح کھلکھلا پڑتی ہیں)

دوسری عورت : ٹرین میں میرے لئے کون ٹکٹ خریدتا۔ سرد میدانوں میں سفر کے لئے میرے پاس کمبل تک تو تھا نہیں۔ کبھی کبھار کسی کسان نے اپنی گاڑی میں بٹھا لیا وہ بھی تھوڑی دُور کے لئے۔

دان : یہ سفر تم نے کتنے دن میں طے کیا؟

دوسری عورت : بتا تو چکی ہُوں، آٹھ مہینے میں۔ میں نے بھیک مانگی۔ اِدھر اُدھر تھوڑا بہت کام کیا، تاکہ کھانے کی چیزیں خرید سکوں (دوسری عورتوں کی طرف رُخ کرکے) یہ آخر اس قدر شُبہ کیوں کر رہا ہے۔ اگر یہ چاہتا ہے تو میں اسے اپنی کمر دکھا دُوں۔ کیا یہ مجھے جھُوٹی سمجھتا ہے؟

تیرھویں عورت : یہ لوگ خود ہی اُلٹے سیدھے اندازے لگا لیتے ہیں۔

دوسری عورت : لیکن اگر اس کے اپنے بچے ہیں تو اس کی سمجھ میں بات آجانی چاہیئے۔ کیا اس کا کوئی بچّہ ہے؟

دان : ہاں میری بیوی بھی ہے اور بچے بھی اور میں اُن کی رفاقت میں پُورے ایشیا کا سفر پیدل کروں گا۔ ایک سال تو ہو چکا ہے اُن سے چھُوٹے ہُوئے

دوسری عورت : پھر تو اس کی سمجھ میں بات آجانی چاہیئے۔

ترجمان : ایسے لوگوں کی سمجھ میں مشکل ہی سے ایسی بات آتی ہے۔ انھوں نے دنیا نہیں دیکھی۔ وہ کسی چھوٹے سے جزیرے میں لبتے ہیں۔

گیارھویں عورت : وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ کیوں نہیں رہتا۔

پانچویں عورت : اس کے ساتھ کوئی نہ کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔

پہلی عورت : ہمارے مہمان کے بارے میں ایسی بات مُنہ سے نہ نکالو

آٹھویں عورت : وہ تو بڑا نیک آدمی معلوم ہوتا ہے

دان : (ترجمان سے) یہ کیا کہہ رہی ہیں۔ کیا تمھیں یقین ہے کہ وہ کچھ نہیں جانتیں (حاضرین سے) میرا خیال ہے کہ اگر وہ سب کچھ جان جائیں تو میرے ٹکڑے اڑا دیں۔ حالانکہ میں نے ابھی کچھ کیا بھی نہیں۔ یہ تو اس کا صرف ایک ہولناک جزو ہے۔ میں خود کمپنی نہیں ہوں جہنم میں جائے سب کچھ۔

ترجمان : (عورتوں سے مخاطب ہو کر) یہ اپنے کاروبار کے سلسلہ میں یہاں آیا ہے۔ اس کی کمپنی نے اسے یہاں قیام کرنے کا حکم دیا ہے۔

بارھویں عورت : اسے بتا دو کہ ایک سال کی مدّت بہت تھوڑی ہوتی ہے۔ جنگ ہو رہی تھی نا۔ میں تو اپنے شوہر سے پانچ سال تک جُدا رہی۔

دان : (مشتعل ہو کر) ہاں ہاں کیوں نہیں۔ تم لوگوں کی تو ہمیشہ یہی حالت رہی ہے۔ لیکن میرے گھر والوں پر کیا گزری۔ تمھیں معلوم ہے وہ کس طرح زندگی گذار رہے ہیں؟ مارگریٹا کے تو اعصاب جواب دے چکے ہیں۔ اُس کا آخری خط مجبوری اور بے بسی کی تصویر تھا۔ اُس نے امداد چاہی تھی۔ اُسے ٹیکس بھرنے تھے اور بہت سا قرض چکانا تھا

روپیہ سنبھالنے کا سلیقہ تو خیر اُسے تھا ہی نہیں۔

ترجمان : اسے یہ بھروسہ نہیں کہ اس کی بیوی زیادہ عرصے تک تنہائی برداشت کر سکتی ہے۔

چھٹی عورت : میں تو ہمیشہ سے یہ کہتی آئی ہوں کہ ان ملکوں کے لوگ زیادہ صبر نہیں کر سکتے۔

تیسری عورت : اسے بتا دو کہ جتنا وہ سمجھتا ہے عورتیں اس سے کہیں زیادہ جیدار اور باہمت ہوتی ہیں۔

دوسری عورت : میں نے کانسو کے صوبہ سے پیکنگ تک پیدل سفر کیا۔ جب میرے شوہر کو یہ بتایا گیا تو اُسے یقین نہیں آیا۔

پانچویں عورت : تم کس کمپنی سے وابستہ ہو۔ معاف کرنا میں یوں ہی پوچھ رہی ہوں

ترجمان : اس کا کام خرید و فروخت ہے۔ بس اتنا ہی مجھے معلوم ہے

پانچویں عورت : خرید و فروخت - ہاں میرا بھی یہی خیال تھا۔

پہلی عورت : بہتر ہوگا کہ تم اپنا خیال اپنے ہی تک محدود رکھو۔ ورنہ میں مسٹر چانگ سے کہہ دوں گی۔

آٹھویں عورت : مجھے تو وہ بڑا نیک آدمی معلوم ہوتا ہے۔

تیسری عورت : تم اپنی بیوی کو یہاں کیوں نہ لے آئے۔ تم اپنا کاروبار دیکھتے اور وہ ہمارے ساتھ کام کرتی

وان : (طنزاً) مجھے یقین ہے کہ وہ بھی آجائے گی۔ میں اُسے خط لکھوں گا۔

(تیسری عورت دوسری عورتوں کے ساتھ مل کر کہانی کو تمثیل کے طور پر پیش کرتی ہے۔)

"تائیوان میں ہم چار عورتیں تھیں جو انقلاب کے لئے کچھ کام کرنا چاہتی تھیں۔ مگر ہمیں یہی پتہ نہ تھا کہ ہم کریں کیا"

(تین عورتیں تیسری عورت کے پیچھے کھڑی ہو جاتی ہیں)

"پہلے تو ہم نے سوچا کہ پبلک بیت الخلا صاف کریں لیکن یہ کام کسی اور نے سنبھال رکھا تھا، جو زیادہ ضرورت مند تھا۔ پھر ہم نے کاغذی قندیلیں بنائیں اور اُن پر چیئرمین ماؤ کی تصویر لگائی۔"

(وہ ایسی نظر آتی ہیں جیسے انھوں نے قندیلیں اُٹھا رکھی ہوں)

"لیکن تصویریں ٹھیک نہیں چپکیں۔ کسی میں وہ زیادہ فربہ نظر آنے لگے، کسی میں اُن کے چہرے پر جھریاں پڑ گئیں۔ کچھ لوگوں نے ہم پر سخت نکتہ چینی کی۔ ہم پر الزام تک لگایا کہ ہم انقلاب کے خلاف کام کر رہی ہیں۔ توبہ - کیا ہم دانستہ ایسا کر سکتے تھے"

(دیگر عورتیں الزام لگانے کے انداز میں انگلیاں اُٹھاتی ہیں چاروں خاموشی سے دیکھتی رہتی ہیں)

"پھر ہم نے جُوتے کی پالش تیار کرنے کا فیصلہ کیا"

(وہ مٹھیاں بند کر کے فیصلے کا اظہار کرتی ہیں)

"ہم نے اپنے ہاتھوں سے چھوٹا سا ورکشاپ بنایا۔ شہر کی پرانی فصیل سے ہم اینٹیں لائے۔ اُن کو توڑ کر گاڑھا روغن بنایا۔ پھر اُسے پکایا اور پھر تائیوان کے لوگوں نے ہماری پالش خریدی"

(دوسری عورتیں خریدنے کا تاثر پیش کرتی ہیں)

"لیکن جب لوگ گھر پہنچے تو پالش اُن کی جیبوں کے اندر ٹپک گئی تھی"

(عورتیں جیبیں الٹ کر غصّہ سے اُن کی طرف بڑھتی ہیں)

اور پھر ہم نے تیلون اور بلاؤز دھونے شروع کر دیئے۔ پھر ہم میں سے ایک شنگھائی پہنچی اور اس نے ایک فیکٹری میں پالش بنانی سیکھی۔ یہ پالش ایسی تھی جو ٹپکتی نہیں تھی لیکن بدقسمتی سے تائیوان کی آب و ہوا شنگھائی جیسی نہ تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ سیاہ جُوتے بھورے ہو گئے اور بھورے جوتوں کا رنگ سبز ہو گیا۔ اس پر لوگوں نے ہمارے خلاف ہجویں لکھیں"

(دوسری عورتیں حقارت کا اظہار کرتی ہیں اور ہنسنے لگتی ہیں)

"آخر جب ہم نے پالش بنانے میں مہارت حاصل کر لی تو کسی نے خریدنے کی خواہش ہی نہیں کی"

(عورتیں ہاتھ کے اشارے سے یہ ظاہر کرتی ہیں جیسے وہ پالش خریدنا نہ چاہتی ہوں)

"لوگوں کو یقین دلانے اور انھیں مطمئن کرنے کے لئے ہم بازاروں میں نکل آئے۔ اور سب کے جوتوں پر مفت پالش کی"

(وان اور دوسروں کے جوتوں پر پالش کرنے کی کوشش)

"اب ہم پانچ سوشلسٹ ملکوں کو پالش فروخت کر کے انقلاب کی خدمت کر رہے ہیں"

(وہ مٹھیاں بند کر کے خوشی کا اظہار کرتی ہیں)

(باقی آئندہ)

استحصالی نظام کا خاتمہ کرو: بقیہ صفحہ ۱۴ سے آگے

اور روسی سامراج ہند کو دنیا پر مشترکہ اقتدار کے حصول کے لئے ایک بڑے اڈے کے طور پر استعمال کر رہے ہیں۔ ہندوستان سوشلسٹ چین کے خلاف سازشوں کا مرکز بھی ہے اور عالمی انقلاب کا اڈہ اور تمام عالم کے استحصال زدہ عوام کے لئے امید کی کرن بھی۔ اس لئے ہندی انقلاب کی تکمیل ہندی عوام کی نہ صرف قومی ذمہ داری ہے بلکہ ان کا بین الاقوامی فرض بھی ہے۔ ہندوستانی انقلاب کی بین الاقوامی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ عظیم لینن نے اس دن کے خواب دیکھے تھے جب انقلابی ہندوستان انقلابی چین کے ساتھ مل جائے گا۔ اور عالمی سامراجی نظام کو درہم برہم کر دے گا۔ اسی لئے ہندوستان کے انقلابی پارٹی بناتے وقت یہ عزم رکھتے ہیں کہ وہ چین کے عظیم عوام کے ساتھ یکجا ہوں گے۔ اور مختلف ملکوں کی آزادی کی تحریکوں کے ساتھ ایک ایسا اتحاد قائم کریں گے جس سے عالمی انقلابی محاذ کی تعمیر ہوگی اور عالمی سامراج اور اس کے بڑے اتحادی جدید ترمیم پسند نیست و نابود ہوں گے۔ چیئرمین ماؤ نے دعوت عمل دے دی ہے۔

"دنیا بھر کے لوگو، اور بھی زیادہ متحد ہو جاؤ اور اپنے مشترکہ دشمن امریکی سامراج اور اس کے اتحادیوں کے خلاف مسلسل اور پُرزور جارحانہ تحریک کا آغاز کر دو۔ یہ بات پورے یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ نوآبادیاتی نظام، سامراجیت اور استحصال کے سارے نظاموں کا مکمل خاتمہ اور دنیا کے تمام مجبور عوام اور اقوام کی مکمل آزادی کے دن زیادہ دور نہیں"

ہمارا فرض یہی ہے کہ ہم اپنے آپ کو اس دعوت عمل پر لبیک کہنے کے لئے تیار کریں۔

لندن پلان

جماعتِ اسلامی کی فائلوں میں سے

وہاب صدیقی

جب سے پاکستان دشمن "لندن پلان" کی سازش کا انکشاف ہوا ہے اور اس کی تفصیلات منظر عام پر آئی ہیں، اسلام پسند، نئے زاروں کے ہمنوا باولے ہو رہے ہیں۔ گلا پھاڑ پھاڑ کر چلا رہے ہیں، بلبلا رہے ہیں۔ کاٹنے کو دوڑ رہے ہیں جیسے اُن کی دُم پر پاؤں رکھ دیا گیا ہو۔ تردید پہ تردید ہو رہی ہے۔ پاکیٔ داماں کی حکایتیں بیان کی جا رہی ہیں۔ مقبوضہ اخبارات کالم کے کالم سیاہ کر رہے ہیں "دردمندانہ اپیلیں" کی جا رہی ہیں کہ اس مسئلہ پر خاموشی اختیار کی جائے

"لندن پلان" سے لاتعلقی کا اظہار سب سے پہلے روس نواز نیشنل عوامی پارٹی کے صدر ولی خان نے کیا۔ ٹھوس دلائل دینے کی بجائے لندن پلان کو "من گھڑت اور سیاسی شعبدہ بازی" کہہ دینا ہی کافی سمجھا' انہوں نے کہا:

"یہ خبر بے بنیاد اور من گھڑت ہے، ایسے وقت میں جب کہ ملک ایک خطرناک بحران کا شکار ہے اور قومی یک جہتی کی اشد ضرورت ہے۔ ایسی سیاسی شعبدہ بازیاں قومی استحکام کو نقصان پہنچانے اور جلتی پر تیل کا کام کرنے کے مترادف ہے۔ حب الوطنی پر کسی واحد سیاسی گروپ کی اجارہ داری نہیں ہے اور اس زبردست بحران کے وقت ہمیں اپنے مُنہ بند رکھنے چاہئیں"۔

(روزنامہ 'آزاد' ۱۰ اپریل ۱۹۷۱ء)

ولی خاں کے اسی بیان پر روزنامہ حریت نے ۱۲ اپریل ۱۹۷۱ء کو "ایک دردمندانہ اپیل" کے عنوان سے ایک اداریہ لکھ مارا۔ اس میں بھارتی جارحیت کے خطرے کا واسطہ دے کر خاموشی اختیار کرنے کی ہدایت تھی۔ لندن پلان کے انکشاف کو "سیاسی مہم جوئی" کا نام دیا گیا تھا اور خان ولی خان کے جذبات کو سراہا گیا تھا۔ 'حریت' پاکستان کے ۲۲ اجارہ دار سرمایہ دار خاندانوں کے "سیاسی باوا اور بادشاہ گر" یوسف ہارون کا اخبار ہے۔ یوسف ہارون اور وائٹ ہاؤس کے روابط اور تعلقات روز روشن کی طرح سب پر عیاں ہیں۔ چنانچہ حریت نے روس نواز کی ہاں میں ہاں ملائی تو کسی کو حیرت نہیں ہوئی کیونکہ عالمی سطح پر امریکی سامراج اور سوویت یونین کے باہمی گٹھ جوڑ اور پاکستان دشمنی سے عوام پوری طرح باخبر ہیں۔

میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ نے لندن پلان سے لاتعلقی کا اظہار ۱۵ اپریل ۱۹۷۱ء کو کیا۔ فرماتے ہیں۔

"گذشتہ انتخابی مہم کے دوران ایک ممتاز سیاسی شخصیت نے جب اس منصوبے کا پہلی بار ذکر کیا تو میں نے نہ صرف اس سفید جھوٹ کی فوراً تردید کی تھی بلکہ اس کے خلاف ہتک عزت کا مقدمہ دائر کر کے قانونی چارہ جوئی کی تھی۔ میں نے عوامی لیگ سے اپنی پارٹی کے کسی تعلق یا خفیہ مفاہمت کی ہمیشہ تردید کی ہے"

(روزنامہ جسارت، ۱۶ اپریل ۱۹۷۱ء)

لندن

آئے بھی وہ، گئے بھی وہ

شیخ مجیب الرحمن لندن پہنچے، کچھ روز ٹھہرے اور واپس چلے گئے۔ وہ جب تک یہاں رہے، برطانیہ، پاکستان کی سیاسی سرگرمیوں کا گڑھ بنا رہا۔ یہاں کے اخبارات نے شیخ صاحب کی خبریں خوب دھوم دھام سے شائع کیں اور یہ ثابت کرنے میں لگے رہے کہ وہ پاکستان کے قومی رہنما ہیں۔ میاں ممتاز دولتانہ اور راجہ صاحب محمود آباد سے شیخ صاحب کی ملاقاتیں ہوئیں، میاں دولتانہ نے ملاقات سے پہلے کہا: میں شیخ صاحب کو چند نکات پر نظرثانی کے لیے کہوں گا۔ راجہ صاحب محمود آباد نے مجیب صاحب سے غالباً دو ملاقاتیں کیں۔ ان میں پاکستان کے مسائل زیربحث آئے، راجہ صاحب نے فرمایا، عام انتخابات کا انعقاد بہت ضروری ہے، یہ آئینی مسائل کو حل کرنے کی طرف پہلا قدم ہوگا۔

* *

شیخ صاحب برطانیہ پہنچے، تو مشرقی پاکستان سے تعلق رکھنے والے تین سو افراد نے فلک شگاف نعرے لگا کر ان کا خیر مقدم کیا۔ ہوائی اڈے سے وہ سیدھے اپنے ہوٹل پہنچے، اور غیر ملکی اخباری نمائندوں سے گفتگو کی۔ انہوں نے کہا، میں برطانیہ میں مشرقی پاکستان کے ۸۰ ہزار باشندوں کی حمایت حاصل کرنے کے لیے یہاں آیا ہوں۔ انہوں نے قید تنہائی کے دوران میں میرے حق میں آواز اٹھائی، میرے مقدمے کے لیے ایک ممتاز قانون دان کی خدمات بھی حاصل کیں۔ میں نے جن اصولوں کی خاطر جیل کے مصائب برداشت کیے اور عوام نے اپنا خون بہایا، ان سے دست برداری کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ شیخ صاحب نے آواز بلند کرتے ہوئے فرمایا:

صوبائی خود مختاری کے مسئلے پر کوئی سمجھوتہ نہیں ہوگا میں عوامی مطالبات سے دست بردار نہیں ہوں گا۔

مجیب صاحب نے کئی مقامات پر اجتماعات سے خطاب کر کے اپنا موقف بیان کیا۔ باخبر حلقوں کی اطلاع کے مطابق شیخ مجیب نے برطانوی حکومت کے نمائندوں سے برطانیہ میں آباد پاکستانیوں کے مسائل کے بارے میں بھی بات چیت کی اور ان پر واضح کیا کہ اگر انہوں نے پاکستانیوں کی مشکلات کو ختم کرنے کی سعی نہ کی، تو پاکستان میں بسنے والے انگریزوں کو بھی اسی قسم کے سلوک کا نشانہ بننا پڑے گا۔

مجیب، دولتانہ اور راجہ صاحب محمود آباد کی جو تثلیث لندن میں بنی تھی، اس کے کیا نتائج برآمد ہوں گے؟ اس بارے میں کوئی حتمی بات معلوم نہیں ہو سکی، تاہم یہاں کے پاکستانی حلقے اس توقع کا اظہار کر رہے ہیں کہ جناب ممتاز دولتانہ سرگرم سیاست سے دست بردار ہو جائیں گے، خواہ وہ اس کا باقاعدہ اعلان نہ کریں۔ یوں نظر آ رہا ہے کہ مسلم لیگی دھڑوں کو متحد کر کے ان کی قیادت جناب یوسف ہارون کے سپرد کر دی جائے گی۔ مجیب اور مسٹر یوسف ہارون کی دوستی کے ناطے ان میں سیاسی اتحاد یا سمجھوتا ہو جائے گا۔ اس طرح مستقبل میں مجیب، ہارون مخلوط وزارت قائم ہوگی۔ شیخ مجیب اپنی تمام تر انتہاپسندی کے باوجود انتخابات میں یقین رکھتے ہیں، جب کہ جناب بھاشانی انتخابات کے امکانات کو ختم کرنے کے درپے ہیں، اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ بھاشانی صاحب انتخاب جیت نہیں سکتے۔ انتخابات کے دوران ان کی ہر دلعزیزی کا بھرم کھل جائے گا، اس لیے وہ سرے سے انتخاب منعقد کرانے کے ہی خلاف ہیں۔ مشرقی پاکستان کے حالیہ افسوس ناک واقعات سے جمہوریت پسند حلقے بہت پریشان ہیں، ان کے خیال میں بھاشانی صاحب اور ان کے رفقا نے مہاجرین اور بنگالی بھائیوں کو تشدد پر اکسایا ہے، تاکہ اس طرح انتخابات کے انعقاد کو غیر یقینی بنایا جا سکے۔ اس سلسلے میں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ مشرقی پاکستان کے ہنگاموں سے تھوڑا عرصہ پہلے طارق علی کے زیر ادارت شائع ہونے والے مقامی اخبار "بلیک ڈوارف" نے پاکستان کے اشتراکیوں سے اپیل کی تھی کہ وہ متحد اور منظم ہو کر ایجی ٹیشن شروع کر دیں، ورنہ ان کا حشر انڈونیشیا کے کمیونسٹوں جیسا ہوگا۔۔۔ لندن کے سیاسی حلقے ڈھاکہ میں پیش آنے والے واقعات کو اس اپیل کے پس منظر میں دیکھ رہے ہیں۔ شیخ مجیب وطن پہنچ کر حالات پر کیسے قابو پاتے ہیں؟ یہ وقت بتائے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مجیب اور بھاشانی معرکہ، الیکشن سے پہلے ہی گرم ہوگا، اگر شیخ مجیب انتخابات کے حق میں فضا ہموار کرنے میں کامیاب ہو گئے، اور انہوں نے بھاشانی کی کوششیں ناکام بنا دیں، تو یہ ان کی بہت بڑی کامیابی ہوگی۔



میاں ممتاز دولتانہ



شیخ مجیب الرحمٰن

۲۰ ——

ہفت روزہ زندگی مورخہ ۱۷ نومبر ۱۹۶۹ء کے صفحہ ۲۰ کا عکس

مجیب، ہارون مخلوط وزارت بنانے کا منصوبہ

ممتاز دولتانہ کی تردید کے بعد رجعت پسند اور جماعت اسلامی کے اخبارات لٹھ لے کر مسٹر بھٹو اور پیپلز پارٹی کے پیچھے پڑ گئے۔ روزنامہ نوائے وقت لندن پلان کی جگہ "پیرس پلان" لے آیا۔ ان اخباروں نے لندن پلان کا انکشاف کرنے والوں کے خلاف اتنا پروپیگنڈہ کیا کہ گویا اصل "مجرم" وہی ہیں۔

اگرچہ یہ رجعت پسند عناصر لندن پلان سے لاتعلقی کا اظہار کر رہے ہیں۔ اسے "من گھڑت اور سیاسی شعبدہ بازی" قرار دے رہے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ "آج کل ملک بھارتی جارحیت سے نبرد آزما ہے۔ قومی اتفاق اور اتحاد کی ضرورت ہے اس لئے خاموشی اختیار کی جائے"۔ یہ دلیل نہایت بوگس اور بودی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ "اگر بیرونی دشمن سے مقابلہ ہے تو اندرونی دشمنوں کا احتساب نہیں کیا جائے۔ انہیں پروان چڑھنے دیا جائے۔ حالانکہ تاریخ اور تجربات بتاتے ہیں کہ بیرونی دشمن اتنا خطرناک نہیں ہوتا جتنا اندرونی دشمن۔ سراج الدولہ اور ٹیپو سلطان کی ناکامی کا سبب یہی تھا کہ انہوں نے بیرونی دشمنوں سے نمٹنے سے پہلے اپنی ریاستوں کو اندرونی دشمنوں سے پاک نہیں کیا۔

جماعت اسلامی کے رہنما اور اس کے اخبارات لندن پلان کو "نام نہاد" قرار دے رہے ہیں۔ وہ یہ بات بھول گئے کہ انتخابات سے پہلے جب وہ فتح و کامرانی کے خوابوں میں ڈوبے ہوئے

الفتح

اصغر خاں اور نور خاں نے لندن پلان کی تردید نہیں کی





تھے اس وقت خود ہی انہوں نے لندن پلان کی سازش سے پردہ اٹھا دیا تھا۔ ہفت روزہ زندگی کے پبلشر الطاف قریشی جماعت اسلامی کے "حسنین ہیکل" سمجھے جاتے ہیں۔ اپنے ایک مضمون بعنوان "ڈھاکہ پر کیا گزری؟" میں لکھتے ہیں:

"کہا جاتا ہے شیخ مجیب الرحمٰن لندن جانے سے پہلے تین ملکوں کے سفیروں سے ملے تھے۔ برطانیہ، امریکہ اور بھارت۔ معلوم ہوتا ہے مذاکرات مکمل طور پر کامیاب نہیں ہوتے۔ اس لئے شیخ صاحب کو لندن جانا پڑا"

(زندگی۔ جلد ۲ شمارہ ۱۱ مورخہ ۱۰ نومبر ۱۹۶۹ء)

"لندن پلان" جس کی ابتداء ڈھاکہ سے ہوئی اور اختتام لندن میں ہوا جہاں میاں ممتاز دولتانہ، یوسف ہارون سے پہلے پہنچ چکے تھے۔ اور راجہ صاحب محمود آباد افسر رابطہ کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ ہفت روزہ زندگی نے ۱۷ نومبر ۱۹۶۹ کے شمارے میں صفحہ ۲۰ پر لندن کی ڈائری چھپی (جس کا عکس اوپر پیش کیا گیا ہے) لندن کا یہ مکتوب سیاسی سودے بازی اور پاکستانی عوام کے خلاف کی جانے والی سازش کی نشاندہی کر رہا ہے۔ لکھا ہے

"یہاں کے پاکستانی حلقے اس توقع کا اظہار کر رہے ہیں کہ جناب ممتاز دولتانہ سرگرم سیاست سے دست بردار ہو جائیں گے۔ خواہ وہ اس کا باقاعدہ اعلان نہ کریں۔ یوں نظر آرہا ہے کہ مسلم لیگی دھڑوں کو متحد کر کے ان کی قیادت جناب یوسف ہارون کے سپرد کر دی جائے گی۔ مجیب اور مسٹر یوسف ہارون کی دوستی کے ناطے ان میں سیاسی اتحاد یا سمجھوتہ ہو جائے گا۔ اس طرح مستقبل میں مجیب، ہارون مخلوط وزارت قائم ہوگی۔"

یادش بخیر ممتاز دولتانہ اور شیخ مجیب کی لندن سے واپسی پر مسلم لیگی دھڑوں کے اتحاد کی خبریں بہت گرم ہوئی تھیں۔ کبھی یہ خبر شائع ہوتی کہ تینوں مسلم لیگیں راجہ صاحب محمود آباد کی صدارت میں متحد ہو جائیں گی اور کبھی یوسف ہارون کا نام لیا جاتا۔ ممتاز دولتانہ نے منصوبے کے مطابق "خرابیٔ صحت" کا بہانہ کر کے پاکستان کونسل مسلم لیگ کا صدارتی انتخاب لڑنے سے انکار کر دیا لیکن ادھر شیخ مجیب نے جی ایم سید کو زیادہ لفٹ دینی شروع کر دی۔ جی ایم سید کے مقابلے میں اپنی وقعت کم ہوتے دیکھ کر میاں صاحب کونسل مسلم لیگ کا صدارتی انتخاب لڑنے پر راضی ہو گئے اور صدارت کا تاج پھر اپنے سر پر رکھ لیا۔ کچھ عرصے کے بعد انھوں نے پھر صدارت سے استعفیٰ دیدیا لیکن اس بار بھی مسلم لیگی دھڑوں کو متحد کرنے کی کوشش رائیگاں گئی۔ صدارت بھی ہاتھ سے جا رہی



ولی خاں کو وزیر خارجہ اور جی ایم سید کو سندھ کے وزیر اعلیٰ کا عہدہ دیا گیا تھا



تھی۔ چنانچہ میاں صاحب نے استعفیٰ واپس لے لیا۔

روزنامہ مساوات کے مطابق اصغر خاں اور نور خاں بھی لندن پلان میں شریک تھے۔ تادم تحریر انہوں نے اس کی تردید نہیں کی ہے۔ ہو سکتا ہے انھیں اس ضربِ کاری سے کچھ دیر بعد ہوش آئے اور وہ شیخ مجیب کی دوستی سے بھی منکر ہو جائیں۔ لندن پلان میں اصغر خاں کو صدارت کا منصب سونپا گیا تھا۔ ریٹائرڈ ایئر مارشل اصغر خاں کے دل میں صدر بننے کی زبردست خواہش ہے۔ اسی لئے گول میز کانفرنس میں انہوں نے شیخ مجیب سے "خاص" روابط قائم کئے تھے۔ ہفت روزہ زندگی "اصغر خاں اور مجیب تعلقات کے بارے میں لکھتا ہے

"گول میز کانفرنس کے دوران شیخ مجیب الرحمان سے راز و نیاز ہوئے اور طے پایا گیا کہ ایئر مارشل عوامی لیگ میں شامل ہو جائیں گے۔ ان کے ایک دوست کو جو اے۔ پی۔ ای۔ ایس کے رکن ہیں پتہ چلا تو وہ ایئر مارشل کے اس فیصلے کو بدلنے کے لئے کوشاں ہو گئے۔ اور کراچی سے اپنے ایک ریٹائرڈ لیکن ممتاز سیاست دان دوست کو جو مرکزی وزیر رہ چکے ہیں، راولپنڈی بلا کر کہا کہ اصغر خاں کو اس جوان مرگی سے بچاؤ۔ وہ اصغر خاں سے ملے اور انھیں عوامی لیگ میں شمولیت کے مضمرات بتاتے۔ اس کے بعد یہ صاحبان شیخ مجیب کے پاس گئے۔ شیخ صاحب پہلے تو اصغر خاں سے وعدہ پورا کرنے کا مطالبہ کرتے رہے لیکن جب انھیں سمجھایا گیا کہ آپ کے ساتھ مل کر مغربی پاکستان میں ان کا امیج گھٹ جائے گا اور یہ آپ کے لئے زیادہ مفید نہیں رہیں گے۔ انھیں باہر رہ کر ہی آپ کی خدمت بجالانی چاہیے۔ تو وہ مان گئے۔"

(زندگی"۔ ۷ تا ۱۳ دسمبر ۱۹۷۰)

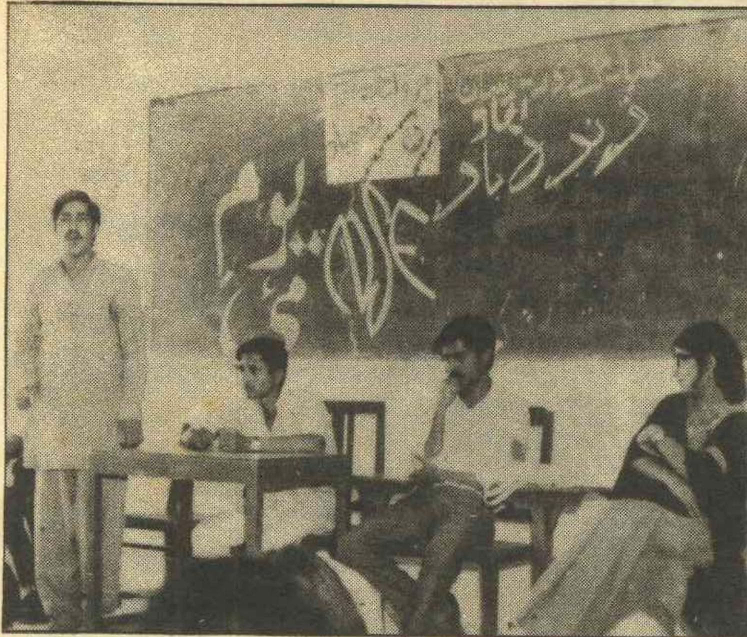
چنانچہ اصغر خاں عوامی لیگ میں شامل نہ ہونے کے باوجود شیخ مجیب کے نمائندے خاص تھے اور مغربی پاکستان میں ان کی نمائندگی کر رہے تھے۔ انھیں صدرِ پاکستان بنانے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ ملاحظہ کیجئے۔

"ایئر مارشل صاحب نے بعض مقتدر حلقوں سے رابطہ پیدا کیا۔ وہاں سے انھیں یہ جھانسہ دیا گیا کہ اگر وہ جمہوری پارٹی چھوڑ کر "نو پارٹی مین" (NO PARTY MAN) بن جائیں تو دستور سازی کے بعد انھیں صدر مملکت بنایا جا سکے گا۔ مجیب سے تو مراسم ہیں ہی۔ دوسرے سیاسی لیڈر بھی مان جائیں گے اور یوں قصرِ صدارت پر قبضہ ممکن ہو جائے گا۔ ایئر مارشل پارٹی کی صدارت حاصل نہ کر سکے تھے۔ ملک کی صدارت کا حصول ممکن نظر آیا تو باچھیں کھِل گئیں اور پی۔ ڈی۔ پی سے دامن چھڑانے کے لئے کسی مناسب موقع کا انتظار کرنے لگے۔"

(ہفت روزہ زندگی ۷ تا ۱۳ دسمبر ۱۹۷۰ء)

لندن پلان کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ یکم مارچ ۱۹۷۱ کے بعد سے ممتاز دولتانہ، نور خان، اصغر خان، ولی خان، وغیرہ شیخ مجیب الرحمان کو بلا شرکتِ غیرے اقتدار منتقل کرنے کا مطالبہ کرنے لگے

لندن پلان کا مقصد پاکستان کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا۔ اعلان تاشقند کو حقیقت کا روپ دینا، عوامی جمہوریہ چین سے تعلقات ختم کرنا اور اسرائیل سے تعلقات قائم کرنا تھا لیکن سامراجیوں اور سوشل سامراجیوں کا یہ منصوبہ ناکام ہو گیا۔



یکم مئی کے موقع پر این - ایس - ایف مغربی پاکستان کے سیکرٹری جنرل لطیف چودھری جامعہ کراچی میں تقریر کر رہے ہیں

’ظلم کے سامنے سینہ سپر ہو جائیے، فتح ہماری ہے‘

افتخار احمد چودھری

یکم مئی محنت کشوں کی تاریخ کا عظیم ترین دن ہے۔ ۱۸۸۶ء میں شکاگو کے مزدوروں نے ظلم اور استحصال کے خلاف کھلی جنگ کی اور استحصال، لوٹ کھسوٹ سے پاک ایک نئے معاشرے کی چاہت میں اپنے جسم و جان کو قربان کر دیا۔ این ایس ایف، جامعہ کراچی یونٹ نے یکم مئی کے شہدا کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے ایک پروگرام بنایا تھا۔ شعبہ صحافت اور شعبہ فنون کے کاریڈور کو سرخ پرچموں اور سرخ بینروں سے سجایا گیا تھا۔ جامعہ کے باشعور طلبا و طالبات کے چہرے گلاب کے پھول کی مانند کھلے ہوتے تھے۔ آج ہی کے دن ان کے مزدور ساتھیوں نے استحصالی قوتوں کے خاتمہ کے لئے اپنی جانیں قربان کرنے کا درس دیا تھا۔

جلسہ کا آغاز ٹھیک ۱۲½ بجے شعبہ صحافت میں ہوا۔ منیر پرویز اور جعفر عابدی نے شہدا کی یاد میں نظمیں پیش کیں اور انہیں خراج عقیدت پیش کیا۔

نجم الہدیٰ نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ”آج ہم سے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ شکاگو کے مزدور تو مسلمان نہ تھے پھر وہ شہید کیوں کہلائیں؟ لیکن ہم ہر اس شخص کو جو ظلم و استحصال سے پاک معاشرہ کے لئے جدوجہد کرتا ہوا دم توڑ دے یا گولی کا نشانہ بنے، شہید کہتے ہیں۔“ انہوں نے کہا پاکستان میں بھی محنت کشوں کی تحریک جاری ہے اور یہ تحریک، یہ جدوجہد آخری فتح تک جاری رہے گی۔

جناب نایاب احمد نے اپنی تقریر میں کہا کہ شکاگو کے محنت کشوں نے اپنی جانیں قربان کر کے ہمیں جدوجہد کا راستہ دکھایا۔ استحصال اور ظلم کرنے والوں کو عوامی عدالتوں میں پیش کیا جائے گا جہاں ان کے جرائم کی سزا دی جائیگی۔

مس مسرت ملک نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ”ہمیں شکاگو کے مزدوروں کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے ان کے مشن کو کامیاب کرنا ہے۔ ان کے بتائے ہوئے جدوجہد کے راستہ پر چلنا ہوگا۔ طالبات بھی طلبا و مزدور جدوجہد میں برابر کی شریک ہیں۔ ہمیں صرف جامعہ اور دوسرے تعلیمی اداروں کی چہار دیواریوں تک ہی محدود رہنا نہیں پڑے گا بلکہ ملوں اور کھلیانوں میں بھی جانا ہوگا۔ جہاں سے ہم صحیح علم حاصل کریں گے۔“

شہریار مرزا نے شکاگو تحریک کے پس منظر کو تفصیل سے بیان کیا اور کہا کہ مزدوروں نے صرف یہ کہا تھا کہ ۲۴ گھنٹوں میں سے ۸ گھنٹے کام، ۸ گھنٹے مشاغل اور آٹھ گھنٹے نیند کے ہونے چاہئیں۔ لیکن اس مطالبہ کی پاداش میں امریکی سامراج اور اس کے حواریوں نے کئی مزدور رہنماؤں کو تختہ دار پر چڑھا دیا اور پھانسی دے دی۔ لیکن وہ تحریک دب نہ سکی۔ ظلم و استحصال کے خاتمے کے لئے آج پوری دنیا میں مزدور و محنت کش طبقے نبرد آزما ہیں۔ اور وہ مشن کو پورا کرنے کی خاطر خون کے آخری قطرہ تک کو بہا دینے سے گریز نہیں کریں گے۔

ناہد حسین نے کہا کہ شکاگو کے مزدوروں نے اپنے خون دے کر محنت کش تحریک کو صحیح انداز میں چلانے کا راستہ بتایا۔ اس تحریک میں کئی مزدور رہنماؤں کو تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔ ہمیں طالب علم ہونے کی حیثیت سے تعلیمی اداروں تک ہی محدود نہیں رہنا چاہئیے۔ بلکہ مزدوروں اور کسانوں کی بستیوں میں جا کر ان سے صحیح علم سیکھنا چاہئیے۔ وہی طبقہ انقلاب کی رہنمائی کرے گا۔

مس نسرین تالپور نے کہا کہ ہمیں شکاگو کے مزدوروں کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے ان کے مشن کو پورا کرنا ہے انقلاب کی جدوجہد میں طالبات بھی برابر کی شریک ہیں اور ہم عوامی حکومت کے قیام کے لئے اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دیں گے۔

لطیف چودھری نے کہا کہ یکم مئی کی تحریک کا تجزیہ کریں تو معلوم ہوگا کہ اس وقت تختہ دار پر چڑھائے جانے والے مزدور رہنماؤں کے اقوال صرف اس وقت کے لئے نہ تھے بلکہ آج پاکستان کے غیور اور حریت پسند طلبا ان اقوال کو سچ ثابت کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ایک مزدور نے کہا تھا کہ ”ظالم سرمایہ دارو! تم ہماری آواز کو وقتی طور پر تو دبا سکتے ہو لیکن یہ آواز تمہاری موت کا پیغام ہے۔“ آج جامعہ کراچی کے باشعور طلبا و طالبات کا یہ عظیم اجتماع مزدور دوستی کا ثبوت ہے۔

عبدالقدوس نے کہا کہ جامعہ کراچی میں این ایس ایف کے ارکان کا یہ عظیم اجتماع اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ طلبا مزدوروں اور کسانوں سے عملی طور پر ملنے جا رہے ہیں شکاگو کے مزدوروں کو سلام اس وقت ہی پیش کیا جا سکتا ہے جبکہ ان کے مشن کو پورا کر دیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ اپنی صفوں کو منظم کیجئے اور ظلم کے سامنے سینہ سپر ہو جائیے۔ ہماری جدوجہد آخری فتح تک جاری رہے گی آخر میں انہوں نے این ایس ایف کے صدر ڈاکٹر رشید حسن خاں کو رہا کرنے کا مطالبہ کیا۔

کنری

مجاہد کالونی کے کوارٹرز ”خاص“ لوگوں کو الاٹ کئے گئے

غازی مختار

کنری میں ۱۹۶۶ء میں آر ڈبلیو پی فنڈ سے ”لو کاسٹ ہاؤسنگ بیسز“ (LOW COST HOUSING BASES) پر امریکن ایڈ سے ملنے والے پچاسی ہزار روپے خرچ کئے گئے۔ کہا جاتا ہے مجاہد کالونی تعمیر ہونے کے بعد ٹاؤن کمیٹی کے سپرد کر دی گئی۔ کالونی کے کوارٹر ایسے لوگوں کو دینے کی ہدایت کی گئی تھی جن کے پاس اپنا مکان نہ ہو۔ اور وصول شدہ رقم سے کالونی کی توسیع کی جائے۔

ہماری معلومات کے مطابق چیئرمین نے ایک کوارٹر بھی ایسے آدمی کو نہیں دیا جس کا اپنا گھر نہ تھا۔ بلکہ کوارٹر متمول اور خاص لوگوں کو الاٹ کئے گئے۔ اور ان سے اب تک صرف شروع کی قسطیں ہی لی گئی ہیں اس کے بعد یا تو قسطیں لی

نہیں لیکن یا اگر لی گئی ہیں تو وہ چند لوگوں کی جیب میں جاچکی ہیں۔ بہت سے متمول لوگوں نے سالوں سے کوئی قسط ادا نہیں کی۔ مگر ان سے کوارٹر خالی نہیں کرائے جاتے جبکہ کوارٹر حاصل کرنے والے اس شرط کے پابند ہیں کہ قسطیں نہ دینے کی صورت میں اس سے کوارٹر چھین لیا جائے گا۔

کالونی کے کوارٹر حاصل کرنے والے خاص لوگوں نے جن کے اپنے کئی مکانات ہیں اپنے کوارٹروں کو کرائے پر اٹھا رکھا ہے۔ اس طرح کالونی کے اکثر کوارٹروں میں اس وقت کرایہ دار رہتے ہیں۔ ضرورت مند لوگ اب بھی بے گھر ہیں۔ ٹاؤن کمیٹی کے ممبران سے کوارٹروں کے کرائے کی وصولی کا ریکارڈ چھپا کر رکھا گیا ہے۔ کچھ میٹنگوں میں ممبران نے کالونی کا ریکارڈ بھی طلب کیا۔ مگر ہر مرتبہ چیئرمین صاحب ٹال گئے۔

ارباب اختیار سے ہماری گزارش ہے کہ وہ کالونی سے متعلق تمام کوائف چیک کریں اور جن کوارٹروں میں کرایہ دار رہ رہے ہیں وہ کوارٹر کرایہ داروں یا دوسرے ضرورت مند لوگوں کو دیئے جائیں۔ کیونکہ آر ڈبلیو پی فنڈ کی کالونی اسی مقصد کے لئے تعمیر کی گئی تھی۔

ہیں کہ رشید حسن خاں کو فوراً رہا کیا جائے۔ ساہیوال کے ۵۳ وکلا نے اپنے مشترکہ بیان میں صدر پاکستان جناب آغا محمد یحییٰ خاں سے ڈاکٹر رشید حسن خاں کی رہائی کی اپیل کی ہے۔ وکلا کے بیان کا متن حسب ذیل ہے۔

"ہم وکلا ساہیوال، صدر پاکستان چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جناب اے ایم یحییٰ خاں سے اپیل کرتے ہیں، کہ وہ نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے مرکزی صدر رشید حسن خاں کو رہا کیا جائے کیونکہ تمام سیاسی قیدیوں کی رہائی کے بعد رشید حسن خاں کو پابند سلاسل رکھنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔"

"ڈاکٹر رشید حسن خاں کی رہائی کے متعلق طلباء بارہا مطالبہ کر چکے ہیں لیکن ارباب اختیار کی مسلسل خاموشی سے طلباء میں بے چینی پھیل رہی ہے جسے ہم سب تشویش کی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ جیل میں طالب علم رہنما بیمار ہیں اگر انہیں کچھ ہو گیا تو حکومت ہی اس کی ذمہ دار ہوگی۔"

قارئین کہتے ہیں

"آج بھوکے ہی سو جاؤ' میرے لال"

"بیٹے آج تم بھوکے ہی سو جاؤ" ماں نے اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"کیوں ماں؟"

"بیٹے آج تمہارے ابو کو کارخانے سے نکال دیا گیا ہے۔ ہفتے بھر کی مزدوری بھی نہیں دی گئی۔ اب ہمارے پاس پیسے نہیں ہیں کہ ہم بازار سے روٹی لے سکیں"

"اماں یہ کارخانے والا کون ہوتا ہے؟"

"بیٹے یہ ایک بہت بڑا آدمی ہوتا ہے"۔

"اماں ہاتھی سے بھی بڑا"

"نہیں بیٹے یہ انسان ہوتا ہے"۔

"اماں اگر یہ انسان ہوتا ہے تو پھر انسان پر ظلم کیوں کرتا ہے' اس نے میرے ابو کو نوکری سے کیوں نکال دیا۔ کیا اُسے معلوم نہیں میں بھوکا رہ جاؤں گا"۔

"تمہیں اسے سب معلوم ہوتا ہے' پھر بھی انجان بن جاتا ہے۔ وہ بڑا آدمی ہوتا ہے بڑے آدمی اسی طرح سوچتے ہیں"۔

"امی' پھر تو میں بڑا ہو کر بڑا آدمی نہیں بنوں گا۔ بڑے آدمی اچھے نہیں ہوتے"۔

ننھا امی سے بات کرتے کرتے بھوکا ہی سو گیا۔

(اللہ نواز قیصرانی - کراچی)

بلدیہ کراچی اور بولتی مینا

اخباری اطلاع کے مطابق بلدیہ کراچی کے چیئرمین مسٹر ابرار حسن کی قیام گاہ پر ایک بولتی مینا ہر آنے جانے والوں کی باتیں سنتی رہتی ہے اور پھر سنی سنائی باتیں اپنے مالک کے سامنے دھرا کر کچھ لوگوں کی جائز شکایات دور کرنے میں مدد دیتی ہے۔ یہ بھی سنا گیا ہے کہ مینا نے بلدیہ کے چند کام چور قسم کے ملازموں کی شکایت بھی کی، جس پر اُن ملازموں سے باز پرس کی گئی۔ اگر یہ صحیح ہے تو پھر میں حکومت سے پُر زور اپیل کروں گا کہ ملازموں کے نکمے پن اور نااہلی دور کرنے کے لئے بولتی مینا کو بلدیہ میں کوئی اچھا سا عہدہ دلایا جائے تاکہ بلدیہ کی کارکردگی کا معیار بلند ہو سکے اور عوام کی شکایات دور ہو سکیں۔

سید نظار حسین - کراچی

نامزدگی کا طریق کار ختم ہونا چاہیئے

ہفت روزہ الفتح کا مستقل قاری ہوں۔ جب سے اس کا اجراء ہوا ہے، باقاعدگی سے مطالعہ کر رہا ہوں۔ الفتح کا معیار قدرے روبہ تنزل ہے۔ خدا محفوظ رکھے۔ شمارہ ۴۹ میں آپ نے عباس رضوی کا افسانہ "لوری" شامل کیا ہے جو بالکل بینڈل قسم کا افسانہ ہے۔ افسانہ نگار نے "ماں ... " گالی کی تکرار کر کے ناپسندیدہ کام کیا ہے۔ ان کو انسانی رشتے اور جانوروں کے مابین امتیاز بھی نظر نہیں آیا۔ افسانے کا کردار "فیاض" پاکستان کے کس عوامی طبقے سے متعلق ہے؟ بہرکیف ایسے افسانوں کی اشاعت نہ ہی کیا کریں۔ تو احسان ہوگا۔

پاکستان پیپلز پارٹی از روئے منشور جمہوری پارٹی ہے لہذا نامزدگی کا طریقہ یکسر ختم ہونا چاہیئے۔ اور جمہوری طریقے کے مطابق اراکین' عہدیداران کا انتخاب ہونا چاہیئے۔ نامزدگی سے شکوہ شکایت کا جواز نکل سکتا ہے لیکن انتخاب سے نہیں۔

طالب علم برادری کے رہنما ڈاکٹر رشید حسن خاں ابھی تک قید و بند کی صعوبتیں جھیل رہے ہیں پیپلز پارٹی کی تحریک میں انھوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے لیکن صد حیرت کا مقام ہے کہ پیپلز پارٹی جو انقلابی پارٹی ہے اور انقلاب پسند عوام کی حامی ہے اپنے معاونِ خاص کو رہا نہ کرا سکی۔ الفتح نے اپنے اداریئے کے توسط سے حق رفاقت ادا کیا ہے۔

نیاز احمد - ڈبیہ عازی خاں

کچھ چہروں سے نقاب اُتر گئے

وطنِ عزیز کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی سازش چل رہی تھی۔ قومی پرچم اور قائداعظم کی تصویر کی بے حرمتی کی جارہی تھی۔ اور سیاسی اقتدار کے بھوکے بندر بانٹ کے تماشے دکھانے میں لگے ہوئے تھے۔ اُن کی آنکھوں کے سامنے ملک دشمن کارروائی ہوتی رہی مگر انھوں نے اُف نہ کی۔ کیا اُن کے دلوں میں ملک اور عوام کی سلامتی اور تحفظ کا ذرا بھی خیال ہے؟ ہرگز نہیں۔ کیا ان کے چہروں سے نقاب اتر نہیں گئے۔

کیا یہ لوگ دوبارہ عوام کے سامنے آنے کی جرأت کر سکتے ہیں آخر یہ کس منہ سے دوبارہ انتخابات کا مطالبہ کر رہے ہیں

ایس اے بلوچ - گوادر

اس دفعہ محکمہ انسداد ملیریا بہت مہربان ہے ضلع تھرپارکر کے سب سیکٹروں میں محکمہ انسداد ملیریا کی جانب سے اسپرے کا انتظام کیا گیا ہے۔ مگر کنری کے لئے جو چار سو کارٹون ڈی ڈی ٹی آیا ہے وہ اب تک ویسے ہی پڑا ہے۔ محکمہ ملیریا کا انسپکٹر ہر ماہ کارڈوں پر دستخط کرنے کے لئے آتا ہے۔ ملیریا بخار کے بارے میں پوچھتا ہے اور سلائیڈ لیکر چلتا بنتا ہے۔ جب اس سے اسپرے کے بارے میں کہا جاتا ہے تو جواب ملتا ہے دفتر سے ابھی اسپرے کا کوئی آرڈر نہیں آیا۔

ساہیوال

ڈاکٹر رشید حسن خاں کو رہا کیا جائے وکلاء کا مطالبہ

نمائندہ الفتح

ساہیوال میں ڈاکٹر رشید حسن خاں کی مسلسل نظر بندی پر ہر طبقہ بے چینی محسوس کر رہا ہے۔ جہاں طلباء اپنے رہنما کو آزاد دیکھنا چاہتے ہیں، وہاں وکلا بھی چاہتے

الفتح

مشرقی پاکستان کے عوام دوبارہ انتخابات نہیں چاہتے:

بقیہ صفحہ ۴ سے آگے

کا شکار ہوئے۔ انھیں ہم نے بخیروعافیت اور بہ ہوش و حواس ڈھاکے میں پایا۔ پھر ہم دُوسرے علاقے دیکھنے نکلے۔ پریس کلب بھی اپنی جگہ تھا۔ صحافی چائے پی رہے تھے۔ اخبار پڑھ رہے تھے۔ پریس کلب میں آگے پیچھے کوئی فرق نہ پڑا تھا۔ سُرخ رنگ کی عمارت اسی طرح سبزے میں گھِری تھی۔

پھر ہم یونیورسٹی کی طرف نکلے۔ سائنس بلاک، اقبال ہال، جگن ناتھ ہال، کرزن ہال سب ہال اسی حال میں تھے۔ دُوسرے اخبار نویس بھی کچھ روز سے ان کی موجودگی کی اطلاع دے رہے تھے۔ ٹیلیویژن پر فلمیں بھی دکھائی جا چکی تھیں۔ لیکن اپنی آنکھوں سے دیکھنے اور تصدیق کی خواہش اپنی جگہ تھی۔ ان عمارتوں کے در و دیوار۔ انڈیا ریڈیو کے جھوٹ کا مُنہ چڑا رہے تھے۔ ہمیں کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ انڈیا ریڈیو آخر کیوں ایسی بے بنیاد خبریں نشر کئے جا رہا ہے۔ اپنے آپ کو جھوٹا کر کے آخر اسے حاصل کیا ہوگا؟

میرے نزدیک ڈھاکہ کی علامت بائیسکل رکشا والے ہیں۔ سڑک پر بائیسکل رکشا چل رہا ہے تو ڈھاکہ کی زندگی معمول پر ہے۔ بائیسکل رکشا کو کچھ ہو گیا ہو تو ڈھاکہ کو یقیناً کچھ ہو جاتا ہے۔ شہر دل کی رونق محنت کش ہوتے ہیں۔ محنت کشوں سے ہی زندگی کا کاروبار وابستہ ہے

ڈھاکہ کے محنت کش زندگی کی دوڑ میں حصّہ لینے کے لئے لوٹ آئے ہیں۔ رکشے دوڑ رہے ہیں۔ بے بی ٹیکسیاں چل رہی ہیں۔ بڑی ٹیکسیاں رینگ رہی ہیں۔ وطن دشمن عناصر نے جن غریبوں کی جھونپڑیوں کو جلا دیا تھا۔ انھوں نے نئی جھونپڑیاں کھڑی کر لی ہیں۔ جھونپڑیوں پر پاکستان کا پرچم لہرا رہا ہے

بعض صحافی ساتھیوں نے بتایا کہ ڈھاکے میں تو پاک فوج نے صورتِ حال پر بہت جلد قابو پا لیا تھا۔ وطن دشمن اور شرپسند عناصر کو زیادہ دیر تک مزاحمت کی ہمّت نہیں ہوئی تھی۔ دو روز بعد جب کرفیو میں نرمی کی گئی تو اُس کے بعد سے ڈھاکہ میں ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔ ڈھاکہ میں شہریوں نے فوج سے مکمّل تعاون کیا اور کسی جگہ بھی شرپسند یا علیحدگی پسند عناصر کی حوصلہ افزائی نہیں کی۔ مجھے یہ بھی پتہ چلا کہ ۲۵ مارچ کو صبح سے ہی شرپسند عناصر کی طرف سے عوام کو بُری طرح ہراساں کیا جا رہا تھا۔ اور چند ایک مقامات پر لوٹ مار کے واقعات بھی ہُوئے تھے۔ اسی رات کو عوامی لیگی قیادت بنگلہ دیش کی آزادی کا اعلان کرنے کا پروگرام بنائے ہُوئے تھی۔ عوامی لیگ کے غنڈہ عناصر نے ایک بجے سے ۳ بجے تک کا وقت اپنے "آپریشن" کے لئے مقرر کیا تھا۔ اور غیر بنگالی بستیوں کو جلانے اور قتل و غارت کا مکمل پروگرام طے پا چکا تھا۔ اگر پاک افواج بروقت حرکت میں نہ آتیں تو شاید صورتِ حال انتہائی سنگین ہو جاتی۔

یہ بات تعجب خیز تھی کہ شیخ مجیب الرحمان جن کے مکان پر ۲۴ مارچ تک ہر وقت بے شمار کاریں کھڑی رہتی تھیں اور لوگوں کا ایک ہجوم جمع رہتا تھا ۲۵ مارچ کو صبح سے ہی وہاں خاموشی تھی۔ کوئی کار نہیں تھی اور مکان کے اندر بھی بہت کم لوگ تھے۔ باخبر لوگوں نے بتایا کہ اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ آج رات کسی بہت بڑے منصوبے پر عمل ہونے والا ہے۔ ۲۵ مارچ کی سہ پہر کو شیخ مجیب الرحمان نے ایک اخباری بیان بھی بھیجا تھا جس میں دعویٰ کیا تھا کہ پاک فوج نے چٹاگانگ وغیرہ میں غیر بنگالیوں کو عوامی لیگی غنڈوں سے بچانے کے لئے جو اقدامات کئے ہیں ان کا جواب ضرور دیا جائے گا۔ یہ بیان اگلے روز چونکہ اخبارات ہی شائع نہ ہو سکے اس لئے چھپ نہیں سکا تھا۔

اس رات کو اگر پاک افواج چند لمحوں کی بھی تاخیر کر دیتیں تو پاکستان کی تاریخ کا سیاہ ترین باب لکھا جا چکا ہوتا۔ اور مشرقی پاکستان کے عوام پہ ایک قیامت ٹوٹ پڑتی۔ ڈھاکے کے عام آدمیوں کی سوچ یہ ہے۔ اس وقت انھیں یہ فکر ہے کہ ان کے وطن کو اقتصادی طور پہ جو نقصان پہنچا ہے، اب اُسے پورا کرنا ہے۔ پیداوار زیادہ سے زیادہ صنعتی بھی اور زرعی بھی۔ ان کا کہنا ہے کہ پاک فوج نے اپنا مشن بڑی مستعدی سے مکمل کر لیا ہے۔ اب عوام کا مشن شروع ہوتا ہے۔ جو اصل اور دائمی مشن ہے۔ پیداوار میں جتنا اضافہ ہوگا اتنی ہی خوشحالی میسّر آ سکے گی۔

سرکاری دفاتر میں حاضری معمول پر آ چکی ہے۔ حالات کا رُخ دیکھ کر بہت سے لوگ جو دیہی علاقوں میں چلے گئے تھے، لوٹ آئے ہیں اور اپنا کام سنبھال لیا ہے۔ ڈھاکے میں تو یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ صورتِ حال معمول پر آ گئی ہے۔ ریڈیو اسٹیشن، ٹیلی ویژن اپنے پورے پروگرام کر رہے ہیں۔ سکول کُھلے ہُوئے ہیں، بچّے بچیاں اسکولوں میں ہنستے مسکراتے نظر آتے ہیں۔ شہری انتظامیہ فوج سے مکمل تعاون کر رہی ہے۔ ڈھاکے میں شہری انتظامیہ اپنے فرائض مکمّل طور پر ادا کر رہی ہے۔ پولیس، ٹریفک پولیس، کے سپاہی اپنی اپنی ڈیوٹی پہ نظر آتے ہیں۔

ڈھاکہ کے عوام اور دانشور۔ مغربی پاکستان سے آنے والے اُن بیانات سے کچھ اچھا تاثر نہیں لے رہے ہیں جن میں نئے انتخابات، کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ ان کو گلہ ہے کہ جو بھی رہنما یہ بیانات دے رہے ہیں وہ وہاں کے حالات کو جانے بغیر ایسا کر رہے ہیں یا وہ ہماری رائے کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ ہمیں اس وقت دو قسم کے دشمنوں کا سامنا ہے۔ ایک تو باہر سے آنے والے یعنی بھارت کے مسلح مداخلت کاروں اور دُوسرے مسلح شرپسندوں کا۔ پاک افواج ان کا شہروں سے صفایا کرنے کے بعد اب مختلف سرحدی دیہات میں اُن کا صفایا کر رہی ہے۔ عوام زندگی کو معمول پہ لا رہے ہیں۔ یہ مرحلہ ختم ہو جائے تو ہمیں احساس ہوگا کہ ہم نے جن نمائندوں کو منتخب کیا تھا کیا وہ واقعی سب کے سب عوامی لیگ کی ہائی کمان کے ساتھ علیحدگی کی سازش میں شریک تھے یا اس سے بے خبر تھے۔ اور صرف مشرقی پاکستان کے عوام کی خوشحالی کے لئے چھ نکاتی پروگرام کا ساتھ دے رہے تھے۔ حال ہی میں ایک عوامی لیگی ایم پی اے نے عوامی لیگ سے اپنے قطع تعلق کا اعلان کیا ہے۔ یہاں کے باخبر حلقے چند روز میں کئی سابق ممتاز عوامی لیگیوں کی طرف سے ایسے اعلانات کی توقع ظاہر کر رہے ہیں۔ اس طرح زیادہ حلقوں کے نمائندے رائے عامہ کا احترام کرتے ہُوئے عوام نے جو اختیار دیا تھا صرف اُس سے اپنی وابستگی کا اعلان کریں گے۔ اس طرح اگر ضمنی انتخابات کی ضرورت بھی ہوگی تو بہت کم حلقوں میں۔ اقتصادی حالات کی بنا پر ویسے بھی ملک اب مکمل نئے انتخابات کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

اے پی پی کے الطاف باور اور شوکت کمال قریباً دو ہفتوں سے یہاں ہیں۔ وہ ڈھاکہ کے علاوہ پورے مشرقی پاکستان میں مشاہدہ کر چکے ہیں۔ اُن کے مطابق اب صورتِ حال بڑی حد تک قابو میں ہے۔ سرحدی علاقوں میں بھارت کے مداخلت کاروں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا تھا۔ اور کچھ پاکستانی باشندوں کو ان بھارتیوں نے مزاحمت کرنے پر ہلاک بھی کر دیا تھا مگر اب یہ مداخلت کار یا تو صاف کر دیئے گئے ہیں یا بھاگ چکے ہیں۔ معلوم ہُوا ہے کہ سرحد کے پاس پاس بھارت نے ان مداخلت کاروں اور شرپسندوں کے لئے پناہ گاہیں قائم کر رکھی ہیں اور تربیت گاہیں بھی بنا دی ہیں۔ شوکت کمال نے بتایا کہ رنگ پور، لالمنیرہاٹ، اور کومیلا وغیرہ میں وہ جب گئے تو انہوں نے یہاں کے باشندوں میں ایک عجیب جوش اور جذبہ دیکھا۔ وہاں انھوں نے جو واقعات سُنے اُن سے اندازہ ہوتا ہے کہ پاک افواج کے جوانوں نے کس طرح بروقت پہنچ کر بھارتی مداخلت کاروں کا صفایا کیا۔ یہ مداخلت کار بعض شرپسندوں کی مدد سے اور بھاری تعداد میں گولہ بارود کے ساتھ مقامی باشندوں پر ٹوٹ پڑے تھے۔ معصوم اور بے گناہ شہریوں کو مزاحمت کرنے پر بے رحمی سے ہلاک کر دیا گیا۔ اور جگہ جگہ رکاوٹیں کھڑی کر دی گئی تھیں۔ پاک افواج جب ان علاقوں میں پہنچیں تو لوگوں نے اطمینان کا سانس لیا۔

آج شام کو ڈھاکہ میں بارش ہوئی تھی۔ غیر ملکی اخبارات اور بھارتی پریس کو مشرقی پاکستان



میں بارشوں سے بڑی آس بندھی ہوئی ہے۔ اور وہ اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ مون سون کے باعث مداخلت کاروں کو آسانیاں ہوں گی، اور پاک افواج حرکت نہ کر سکیں گی۔ اس لئے بھارت ہر ممکن کوشش کر رہا ہے کہ مون سون کی آمد تک مداخلت کا سلسلہ جاری رکھے۔ لیکن بھارت کا یہ خواب بھی شرمندہ تعبیر نہ ہو سکے گا۔ کیونکہ مون سون سے متاثر ہونے والے علاقوں میں مقیم پاک فوجی دستوں نے بارشوں کے استقبال کا انتظام کر لیا ہے۔ شوکت کمال جو ان علاقوں سے ہو کر آئے ہیں، انھیں کچھ کمانڈروں نے بتایا ہے کہ ان کے پاس دریائی جہاز، کشتیاں، لانچیں، چھوٹی بیڑیاں اور دوسرے دریائی ٹرانسپورٹ معقول تعداد میں موجود ہیں۔ مون سون سے پاکستانی فوجوں کو اور مستعد ہونے کا موقع ملے گا اور مون سون کی ڈھال بھی بھارتی مسلح مداخلت کاروں کو اپنے مذموم عزائم کی تکمیل میں مدد نہ کر سکے گی۔

اب ڈھاکہ میں بارش ہو چکی ہے۔ اس وقت ہوائیں اسی میل کی رفتار سے چلنے لگی اور بادوباراں کے زور کے باعث شہر آنکھوں سے اوجھل ہونے لگا تھا لیکن اب شہر اور زیادہ نکھر کر سامنے آگیا ہے۔ مون سون کے موسم کے بعد پاک افواج کی صلاحیتیں بھی اور نکھر کر سامنے آئیں گی۔

اب ڈھاکے میں رات بھیگ رہی ہے۔ کل ہم شاید ڈھاکے سے دوسرے علاقوں کی طرف روانہ ہوں۔

بقیہ: سندھ کے ہاری

وقت اجرت ملتی ہے۔ ایک اندازے کے مطابق وہ ہر فصل کے زمانے میں تین مہینے کام کرتے ہیں۔ اس طرح ایک سال میں کل چھ ماہ برسرِ روزگار اور چھ ماہ بیروزگار رہتے ہیں۔

ان کی اجرتوں کا اندازہ اس طرح لگایا جا سکتا ہے کہ ایک ایکڑ گندم کے کھیت کی کٹائی کی اجرت ۳۰ سیر گندم سے ایک من تک ہے۔ کھیت مزدور کی مزدوری کا اوسط ایک روپیہ ۵۰ پیسہ سے ۲ روپیہ یومیہ ہے۔

کپاس کی چگائی کی اجرت

ایک مزدور دن بھر میں اوسطاً ۲۰ سیر سے ۳ سیر تک چگائی کرتا ہے۔ یومیہ اوسط مزدوری ایک روپیہ سے ایک روپیہ ۵۰ پیسے۔

گنّے کی چھلائی کی اجرت

ایک من گنّے کی چھلائی ۴ آنے فی من جو صاف کر کے شکر کے کارخانے میں جاتا ہے۔ دن بھر میں ایک مزدور اوسط ۶ من سے ۷ من تک گنا چھیلتا ہے۔ اسی طرح گنّے کے موسم میں کھیت مزدور کی یومیہ آمدنی ایک روپیہ ۵۰ پیسے سے ایک روپیہ ۷۵ پیسے۔ کھیت مزدور کو چھ ماہ کی اجرت سے ۱۲ ماہ تک گزارہ کرنا پڑتا ہے۔

کھیت مزدور کی اوسط فی کس ماہانہ آمدنی ۳۰ روپیہ ماہوار۔

کھیت مزدور کی یومیہ فی کس آمدنی ایک روپیہ۔

اگر افراد خاندان کی تعداد کا تخمینہ چار بھی لگایا جائے تو آمدنی فی کس افراد خاندان ۴ آنے یا ۲۵ پیسے یومیہ ہوگی۔

کھیت مزدور کے افراد خاندان کی فی کس آمدنی ۲۵ پیسے یومیہ ہے۔

باغات کے مزدور

ان کا باغات کی پیداوار یعنی پھلوں میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ بلکہ تنخواہ ۴۰ روپے سے ۵۰ روپے تک ملتی ہے۔ اور زمیندار کی جانب سے ایک من گندم دی جاتی ہے۔ اور اگر پھلوں کی پیداوار مقررہ مقدار سے کم ہوتی ہے تو بعض صورتوں میں ان پر جرمانے بھی عاید ہوتے ہیں۔

انتخابات کے دوران ملک کی بیشتر سیاسی جماعتوں کی جانب سے یہ شور و غوغا بلند ہوا تھا کہ ملک میں زرعی اصلاحات نافذ کی جائیں۔ ہمارے سامنے پچھلے ایوبی دور کے زرعی اصلاحات کے تجربات موجود ہیں۔ جن میں حکومت نے بلند و بانگ دعویٰ کیا تھا کہ کسی فرد کو ۵۰۰ ایکڑ سے زائد زمین رکھنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ ان اصلاحات میں ہزاروں ایکڑ کے مالک جاگیرداروں نے بنجر، سیم و تھور اور غیر آباد زمینوں کو حکومت کے حوالے کر کے لاکھوں روپے کما لئے اور آباد زمینوں کو اپنے اہل و عیال کے نام پر تبدیل کروا لیا۔ اسی طرح ہزاروں ایکڑ کے مالک وہ پھر بھی برقرار رہے۔ اور جو زمین پھر بھی بچ گئی اسے اپنے آدمیوں مثلاً منشی وغیرہ کے نام پر منتقل کر دیا۔ یا اگر حکومت نے ان کی کچھ زمینوں کو ضبط کر بھی لیا اور یہ زمین ہاریوں میں تقسیم کیا گیا تو انہوں نے اپنے روایتی جبر و تشدد کے ذریعہ چند دنوں بعد کسانوں کو ان زمینوں سے بیدخل کر دیا گیا۔

یہ نکتہ توجہ طلب ضرور ہے کہ موجودہ دور میں جو زرعی اصلاحات ہوں گی ان میں روایتی دھاندلی کا امکان کم ہے۔ لیکن بنیادی مسئلہ زمین کی حد ملکیت کا نہیں ہے۔ بلکہ جاگیردارانہ نظام معیشت کا ہے جس کے تحت ہزاروں کسانوں کو رات دن لوٹا جاتا ہے۔ انہیں زمینوں سے بے دخل کیا جاتا ہے۔ ہماری رائے میں سندھ کے مخصوص حالات کے تحت جب تک "ادھ بٹائی" کا ظالمانہ نظام مکمل طور پر ختم نہیں ہو جاتا، سندھ کے غریب، مفلوک الحال ہاریوں کی حالت زار کبھی ٹھیک نہیں ہو سکتی یہ ظاہر ہے اصلاحات کے نام نہاد نعرے لگانے والی سیاسی جماعتیں اس نظام کی اس بنیادی اکائی کو تبدیل نہیں کر سکتیں بلکہ بے زمین کسان ہی دنیا بھر کے انقلابات کی روشنی میں مزدور طبقہ کی رہنمائی میں عوامی جمہوری انقلاب کے ذریعہ اس نظام کے خلاف علمِ بغاوت بلند کریں گے۔

(باقی آئندہ)

بقیہ: اداریہ

کے اس اہم شعبے نے عظیم فرض ادا کیا ہے جو ایجنٹ حضرات اور اخبار فروش حضرات پر مشتمل ہے۔ وہ کونسا شہر نہیں جہاں انہوں نے الفتح کو مقبول بنانے کیلئے انتھک محنت اور جانفشانی سے کام نہ لیا ہو۔ اس کے لئے وہ قارئین اور کارکنانِ الفتح کی جانب سے شکریئے کے مستحق ہیں اور ان کی خدمات کا اعتراف اداراتی عملے کا فرض بھی ہے۔

حقی آفسٹ پریس اور کارساز پیپر مارٹ کے اظہارِ تشکر کے لئے شاید مناسب الفاظ نہ مل سکیں۔ الفتح کو عوام تک پہنچانے میں حقی آفسٹ اور کارساز پیپر مارٹ کے مالکوں اور کارکنوں نے بالکل اپنا اخبار سمجھ کر تندہی سے کام کیا۔ ان کا ہی حوصلہ تھا کہ بادِ مخالف کے تند و تیز جھونکوں میں ہم سفری کے تقاضے پورے کرتے رہے۔

سالنامہ زیر ترتیب ہے۔ یہ تاریخی دستاویز پورے ایک سال کی جدوجہد پر محیط ہوگی۔

آئیے اب ہم سب مل کر نئے دور کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں مصروف ہو جائیں۔ جاگیرداری، سرمایہ داری اور نوکر شاہی کے خلاف جدوجہد کو اور تیز کر دیں

آئندہ شمارے میں

مشرقی پاکستان کا آنکھوں دیکھا حال

خصوصی رپورٹ: محمود شام

—●—

ریلوے کی بدعنوانیوں کا دستاویزی ثبوت

—●—

ترکی کی نئی نسل جدوجہد کی راہ پر

—●—

سندھ کے ہاریوں کے معاشی استحصال کی داستان

—●—

نکسل باڑی تحریک: رہنما چارو مجمدار کی نظر میں

—●—

نیوز پرنٹ کی شدید قلت کی وجہ سے ادارہ اپنے اعلان کے مطابق اس شمارہ میں کشف المحجوب کا صحیح ترجمہ اور اسلامیہ کالج کی بدعنوانیوں پر مشتمل رپورٹ شائع نہ کر سکا۔ ہم اپنے قارئین کرام سے معذرت خواہ ہیں اور وعدہ کرتے ہیں کہ اس کی جلد تلافی کر دی جائے گی۔

Regd No : S - 2772
Weekly "Al - Fatah" Karachi
13-20, MAY, 1971